ماہنامہ

افکارِ العارف

لاہور

MONTHLY LAHORE

AFKAR-E-AL-ARIF

MARCH 2023

1952-95

میرے قبیلہ سرکش کا تاجور ہے وہ شخص

بڑھے جو دار کی جانب پیغمبروں کی طرح

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ
جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا (حضرت علیؑ)

فہرست مضامین

عنوان	مصنف	صفحہ
۲۸ ویں برس... مگر خلا باقی ہے	اداریہ	2
ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید۔ سچائی و حق گوئی کا پیکر	امتیاز علی رضوی	5
کربلا کا زخمی سپاہی۔ منفرد و بے مثال	تسلیم رضا خان	8
ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید عزم و استقامت کا پیکر	ڈاکٹر علی عباس نقوی	14
آہ۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید	سید عارف حسین نقوی	17
شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی اور فلاحی خدمات	سید نثار علی ترمذی	21
رفیق محبوب۔ شہید ڈاکٹر	سید ثاقب اکبر	25
شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی ہم سے توقعات	ڈاکٹر راشد عباس سید	29
شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی چند خصوصیات	ڈاکٹر شفقت حسین شیرازی	33
مسیحائے ملت...	ارشاد حسین ناصر	35
کشمیر و فلسطین کانفرنس سے خطاب	عبداللہ کھوکھر	39
اخبار فروش شہید	س ع ابو الانصار	42
انقلابیوں کیلئے اسوہ	مولانا احمد اقبال رضوی	44
کچھ یادیں، کچھ باتیں	منور حسین کینیڈا	47
میرا استاد	سید منیر حسین گیلانی	49
شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی ایک متوازن رہنما	نذیر علی بھٹی	51
ڈاکٹر محمد علی نقوی عہد ساز شخصیت	محسن جعفر	54
شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی عہد ساز شخصیت	جمال اصغر	56
آسمان انقلاب کا ماہتاب کامل	سید اظہر زیدی	58
آزاد پاکستان کا خواب	علی رحمان ولایتی	63
خاطرات و پیاری یادیں	ادارہ	68
شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی یادیں	انجم رضا	71
شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی	فرخ رضا ترمذی	74
ڈاکٹر نقوی و تحرک و فعالیت	سید مسعود نقوی	76
چند یادداشتیں	سید ہاشم رضا	77
شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی	امتیاز علی شیخ	78
ڈاکٹر نقوی چند یادیں	ڈاکٹر اعجاز الشاری	80
شہید ڈاکٹر کے شہید رفقاء	علی پردیسی	82
شہید ڈاکٹر نقوی کی جامعیت	امجد کاظمی ایڈووکیٹ	87
سید ثاقب اکبر	ارشاد حسین ناصر	92

ماہنامہ
افکار العارف
MONTHLY AFKAR-E-AL-ARIF
LAHORE

مارچ 2023ء | جلد نمبر 15 | شمارہ نمبر 03

ڈیکلریشن نمبر: PCPB-495 رجسٹریشن نمبر: CPL-60

مینیجنگ ایڈیٹر: علی حسن جعفری

ایڈیٹر: ارشاد حسین ناصر

خاتون ایڈیٹر: خواہر عظمیٰ شیرازی

لیگل ایڈوائزر: سید عون سجاد ایڈووکیٹ

مجلس ادارت

- ڈاکٹر راشد عباس سید
- ناصر عباس شیرازی
- سید نثار علی ترمذی
- ایم حمید
- یافث نوید ہاشمی

ڈیزائننگ: محسن اصرارلطیف

ادارے کا مراسلہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

بیرون ملک نمائندگان

لبنان: علی اکبر — کویت: ذوالفقار مطہری
تہران: سید اصغر کاظمی — قم المقدس: سید شہزاد ترمذی
امریکہ: سجاد بلوچ — برطانیہ: چوہدری امین طاہر

فی شمارہ 225 روپے (اندرون ملک)
زر سالانہ 750 روپے

Afkaralarif@gmail.com

بیرون ملک: بھارت، ایران، سعودی عرب، انگلینڈ، کویت، امریکہ، جاپان، یورپ سے 25 ڈالر

پبلشر ارشاد حسین نے ذکیوٹ پریس لاہور سے چھپوا کر 5 مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

برائے رابطہ
ماہنامہ افکار العارف المصطفیٰ ہاؤس 5، مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ لاہور
فون 0333-4424817 0423-5912650

اداریہ

سفیرِ انقلاب، فرزندِ امام ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید

28 ویں برسی، مگر خلا باقی ہے

ارشاد حسین ناصر

میرے قبیلہ سرکش کا تاجور ہے وہ شخص
بڑھے جو دار کی جانب پیغمبروں کی طرح

یہ 7 مارچ 1995ء کی ایک المناک صبح تھی تقریباً پونے آٹھ بجے ڈاکٹر محمد علی نقوی اپنی رہائش گاہ حسین اسٹریٹ بھلا اسٹاپ سے شیخ زاید ہسپتال جانے کیلئے نکلے۔ عید کے باعث آپ نے اپنے حفاظتی عملہ کو چھٹیاں دے دی تھیں فقط آغا تقی جو لاہور کے نواحی علاقہ امامیہ کالونی سے تعلق رکھتے تھے آپ کے ہمراہ تھے اور ہمیشہ کی طرح فرنٹ سیٹ پر الرٹ بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی اپنی منی پجارو جیپ جس کا نمبر QAD 3428 سلور کلر کو خود ڈرائیو کر رہے تھے، چوک سے تھوڑا پہلے ویگن اسٹینڈ کے پاس الٹے ہاتھ پر گلی مڑتی ہے اور گلی کے عین نکڑ پر اخبارات اور کتابوں کا اسٹال لگا ہوتا تھا۔ گھر سے یہاں تک کا فاصلہ بمشکل ایک کلومیٹر ہوگا، آپ کی گاڑی جیسے ہی اس ویگن اسٹینڈ کے سامنے پہنچی بک اسٹال کے پاس پہلے سے تیار کھڑے دہشت گردوں نے سامنے آکر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ بعض عینی شاہدین کے مطابق ان کی تعداد پانچ تھی اور یہ دو طرف سے گاڑی پر فائرنگ کر رہے تھے جبکہ ان میں سے دو دہشت گرد اندھا دھند ادھر ادھر بھی فائرنگ کر رہے تھے تاکہ موقع پر موجود لوگ ان کی دہشت اور رعب میں آجائیں کلاشنکوفوں سے کی جانے والی اس اندھا دھند فائرنگ سے ڈاکٹر محمد علی نقوی اور ان کے محافظ آغا تقی حیدر سنبھل ہی نہ پائے۔ اس کے باوجود دہشت گردوں کا ایک ساتھی گاڑی کے بونٹ پر چڑھ کر بھی نشانہ لے رہا تھا۔ فائرنگ کی زد میں آکر کچھ راہگیر زخمی بھی ہوئے جبکہ ایک بچہ سبطین حیدر شہادت سے ہمکنار ہوا، جب دہشت گردوں کو یقین ہو گیا کہ انکا مقصد پورا ہو چکا ہے تو وہ ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے بڑے آرام سے فرار ہو گئے اس وقت پنجاب میں میاں منظور احمد وٹو وزیر اعلیٰ تھے۔

لاہور کے مصروف ترین چوک میں ہونے والی اس اندوہناک واردات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ملک بھر میں پھیل گئی پرائیویٹ ٹی وی چینلز کا زمانہ نہ ہونے کے باوجود ڈاکٹر محمد علی نقوی کی شہادت کی خبر لمحوں میں ہر سو پھیل چکی تھی، قائد شہید علامہ عارف الحسینی کی شہادت کے بعد یہ ملت تشیع پاکستان کیلئے سب سے بڑا نقصان اور صدمہ تھا جس کا اندازہ آج بھی اتنے برس گذر جانے کے بعد بھی شدت سے محسوس کیا جاتا ہے۔ ملت تشیع پاکستان کی اکثریت کو ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی شخصیت کے بارے ان کی شہادت کے بعد علم ہوا کہ ان کی ملت کا ایک روشن، چمکتا ستارہ یتیم خانہ چوک میں ڈوب گیا۔ انہوں نے ایک گمنام مجاہد کی طرح زندگی گذاری ان کی فکری پرواز بہت بلند اور مقام و مرتبہ ہر ایک سے اعلیٰ تھا مگر انہوں نے کبھی روایتی قائدانہ انداز اختیار نہ کیا اور نمود و نمائش، ذاتی تشہیر سے

میلوں دور رہتے شاید ان کا تقویٰ و خلوص ہی تھا جس کے باعث وہ پاکستان کے ہر شیعہ نوجوان کے دل میں گھر کر چکے تھے، ملت کے سیماب صفت نوجوان ہمیشہ ان کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی شخصیت کے ان گنت پہلو اتنے برس گذر جانے کے بعد بھی لوگوں کے سامنے نہیں آسکے، جس شخص نے اپنی مکمل زندگی تنظیمی و قومی تشکیلات و تحریکات میں گذار دی ان کی حیات و کارہائے نمایاں پر کئی کتب لکھی جا سکتی تھیں مگر آج تک صرف تین کتب سامنے آئیں ہیں ایک ان کی زندگی، خاندان، تنظیمی و تحریکی جدوجہد، اسلامی تحریکوں کے کارکن کی حیثیت سے منفرد کردار و عمل اور زندگی کے ان مٹ نقوش پہ مشتمل ایک باثر کتاب ہے اور دوسری ان پر لکھے گئے مضامین پر مشتمل ہے۔ اول الذکر سفیر انقلاب محترم تسلیم رضا خان جنہوں نے شہید قائد علامہ سید عارف حسین الحسینی پہ بھی بہترین کتاب سفیر نور کی صورت میں قوم کو ہدیہ کی اور دوسری کتاب خورشید خاور جسے پاسبان وطن کے نام سے بھی شائع کیا گیا، اور محترم ڈاکٹر سید راشد عباس نقوی نے تدوین کی ہے جبکہ آخر الذکر کتاب بھی ڈاکٹر راشد عباس سید کی تالیف و تحریر ہے جس کا عنوان ڈاکٹر محمد علی نقوی کی شخصیت۔ آئیڈیالوجی، وژن اور حکمت عملی کے تناظر میں سامنے آئی ہیں، سفیر انقلاب کا فارسی میں ترجمہ بھی پبلش ہوا ہے جبکہ کچھ احباب کی بدولت انگریزی میں اس پہ کام ہو رہا ہے۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ پاکستان کی اس قدر بڑی شخصیت جس نے مسلسل 30 برس قومی و اجتماعی زندگی میں گذار دیے اور اپنا سب کچھ تنظیموں و تحریکوں کو دیا ہم اس کے آثار ہی جمع نہیں کر سکے۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی شخصیت کے تمام پہلو، ہر لحاظ سے ملت کے نوجوانوں کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی زندگی کا صرف ایک کردار ہی ہمارے سامنے ہو تو ان کو نسلوں کا آئیڈیل سمجھنے کیلئے کافی ہے اور وہ ہے امام خمینی کی آواز پہ لبیک کہتے ہوئے حج پر براءت از مشرکین کیلئے خود کو پیش کرنا، یہ کس قدر خطرناک کام تھا اس کا اندازہ شاید ہم لوگ کبھی بھی نہ لگا سکیں اس لیئے کہ وہ وقت گذر چکا ہے جس میں یہ فرض نبھایا گیا تھا۔ وہ واقعتاً ایثار و قربانی کا پیکر تھے، عملی کردار ادا کرنے والے تھے۔ آج کے نوجوانوں میں اگر کہیں جذبہ ایثار و قربانی دکھائی دیتا ہے تو ان کا آئیڈیل ڈاکٹر شہید محمد علی نقوی کی ذات ہی تو ہے۔

اس اداریہ میں اگر ہم اختصار کے ساتھ بھی ان کی زندگی کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالنا چاہیں تو کئی صفحات بھر جائیں۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید ایک معروف عالم دین مولانا امیر حسین نقوی کے فرزند تھے جن کی زندگی مکتب تشیع کی تبلیغ و دفاع میں گذری تھی جبکہ محسن ملت جناب قبلہ سید صفدر حسین نجفی ان کے بے حد قریبی رشتہ دار (پھوپھا) تھے۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی دینی تربیت میں قبلہ صفدر حسین نجفی صاحب کا کردار کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید بھی انہیں بے حد احترام دیتے تھے اور ملک کے مختلف شہروں میں ہونے والی نوجوانوں کی نشستوں او ر تربیتی پروگراموں میں ان سے بھرپور رہنمائی حاصل کرتے تھے، محسن ملت علامہ سید صفدر حسین نجفی کو ڈاکٹر محمد علی نقوی پہ بے پناہ اعتماد تھا۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید دیگر بھی ایک علماء، جن میں مولانا قبلہ مرتضیٰ حسین صدر الافاضل، جناب مفتی جعفر حسین قبلہ اور آغا سید علی الموسوی بھی شامل ہیں سے بھی بہت زیادہ مربوط رہے، ان میں بھی آغا سید علی الموسوی کہ جنہوں نے ساری زندگی امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کے ساتھ ایک مستقل رکن نظارت اور بانی رہنما کے طور پر گذار دی سے بے حد محبت و عقیدت رکھتے تھے آغا سید علی الموسوی بھی ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کو علماء کی طرح احترام دیتے تھے وہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کو صحیح معنوں میں پہچانتے تھے۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کو حضرت امام خمینی کی ذات سے والہانہ عشق تھا اور وہ ان ہی کے عشق میں قائد شہید علامہ عارف حسین الحسینی کی ذات میں بھی کھو چکے تھے۔ قائد شہید علامہ عارف حسین الحسینی کو اگر پاکستان میں کسی سے اپنا درد بیان کرنا ہوتا تھا تو ان کا اعتماد شہید ڈاکٹر پہ ہی تھا۔ حقیقت میں یہ دونوں شخصیات امام راحل خمینی بت شکن کی عاشق تھیں جنہوں نے وقت کے طاغوت کو للکارا ہوا تھا اور پاکستان کے ہمسائے میں میں اڑھائی ہزار سالہ بادشاہت کا خاتمہ کر کے اسلامی انقلاب برپا کر دیا تھا پاکستان کی یہ

دونوں عظیم شخصیات اس مادر وطن میں دیگر امت مسلمہ کے ساتھ ملکر امام خمینی رح کے پیغام انقلاب کو رائج کرنے کیلئے کوشاں تھیں تاکہ اس وطن کے مظلوم عوام بھی استعمار و طاغوت کے منحوس خونی پنجوں سے آزادی کی فضا میں سانس لے سکیں۔ امت کو یکجا و متحد کرنے کیلئے انہوں نے اتحاد بین المسلمین کی تحریک چلا رکھی تھی اور اس کے اثرات بے حد مثبت دیکھے جا رہے تھے دشمنان امت مسلمہ اتحاد کی اس فضا سے خاصا پریشان تھے لہذا اس نے اپنے پالتو نمک خواروں کے ذریعے اس کے مخالف فرقہ وارانہ فضا کو ایجاد کرنے کی منصوبہ بندی کی اور ایسے گروہ تشکیل دیے جو پہلے سے افغان جہاد کے حوالے سے ان کے رابطے میں تھے۔ اصل میں اس کا مقصد پاکستان کی سرزمین سے انقلاب کی پھوٹی کرنوں کا راستہ روکنا تھا۔ آج جو کچھ ہماری سوسائٹی اور ملک و معاشرہ میں دکھائی دے رہا ہے یہ سب اسی کا حصہ ہے۔

فرقہ واریت کا جن آج طاغوت کا بہت بڑا ہتھیار بن چکا ہے جسے جب چاہتے ہیں باہر نکال کر مطلوبہ نتائج حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ بات بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ڈاکٹر شہید آخری ایام زندگی سے پہلے ہی اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ ان کی تشکیل کردہ نہضت کا انداز، طریقہ، کار اور نام کسی بھی طرح سے ملکی حالات اور ماحول کے حوالے سے آئیڈیل نہیں بلکہ اس کے الٹ ہے اور باعث ضرر ہے، جس کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے، اس کا اظہار انہوں نے کئی ایک دوستوں کے سامنے کیا اور اپنے طور پر اس کی کوشش بھی کی مگر اس وقت تک شائد حالات ان کی گرفت سے باہر ہو چکے تھے۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی زندگی کا ہر پہلو اسلام ناب محمدی کے مبلغین و داعیان کے لیئے نمونہ عمل اور رہنمائی کا ذریعہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کا اخلاق، کردار، عمل، میل جول، برتاؤ، اٹھنا بیٹھنا، فلاحی امور کا نیٹ ورک، خدمت خلق سے سرشار معمولات، تعلیمی ترقی و پیشرفت کیلئے اسکول سسٹم کا نیٹ ورک، تنظیمی و تربیتی نشستوں کا احیاء، نوجوانوں کی مختلف میدانوں میں مکمل مدد و تعاون، ذاتی و نجی معاملات میں لوگوں کی درست رہنمائی، دختران ملت کی فعالیت و قومی اجتماعی امور میں ان کی شرکت، ملت کے دفاع و بقا کیلئے خدمات، الغرض ہر حوالے سے ان کی خدمات قابل تقلید نمونہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر شہید نے اپنی زندگی میں کچھ صاحبان ثروت کے ساتھ مل کے؛امداد فاؤنڈیشن؛ کے نام سے بھی ایک ادارہ بنایا تھا جو مستحق اور ضرورت مند لوگوں کی مدد کرتا تھا اس کے تحت قوم کی بچیوں کی شادی اخراجات سے لیکر اسیران ملت و متاثرہ خانوادوں کی امداد و بحالی کا سلسلہ جاری تھا اور کئی ایک لوگوں کو چھوٹے پیمانے پر کاروبار کروا کر ان کی مدد کی گئی۔ آج یہ ادارہ یا اس جیسا کوئی ادارہ کہیں نظر نہیں آتا اسی طرح ڈاکٹر شہید نے ایک اسکول سسٹم المصطفیٰ اسکول کے نام سے قائم کیا جس کی کئی ایک برانچز ملک کے کئی ایک شہروں میں قائم کی گئی تھیں مگر صد افسوس آج یہ اسکول سسٹم بھی بند کر دیا گیا ہے۔ بلتستان کی ایک شخصیت کے ساتھ ملکر انہوں نے ایک ادارہ بلتی طالبعلموں کی فلاح و بہبود کیلئے قائم کیا جس کا نام Best رکھا تھا۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید زندگی میں ایک ایسے محور کی حیثیت رکھتے تھے جس کے گرد ملک بھر کے تنظیمی نوجوان کھنچے چلے آتے تھے ان کی مقناطیسی شخصیت کی کشش سے ہر کوئی ان سے مربوط رہتا تھا اور ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کا یہ کمال تھا کہ وہ ہر ایک سے اس کی صلاحیتوں کے مطابق کام لیتے تھے کسی کو بیکار نہ رہنے دیتے تھا گویا ان کی ذات کی شکل میں تنظیمی مسئولین و سابقین کا ایک نیٹ ورک موجود تھا ان کی شہادت کے بعد ہم اس مقناطیسیت سے محروم ہو گئے اور سابقین کا کوئی نیٹ ورک بھی قائم نہ کر سکے نہ ہی کوئی ایسی شخصیت ابھر کر سامنے آسکی جس پر شہید ڈاکٹر کی طرح سب احباب و دوست اعتماد کرتے اور وہ شخصیت بھی اپنے مستقبل کی قربانی دے کر قومی اجتماعی جدوجہد اور اسلامی تحریک کو مضبوط کرتی۔ وقت آج بھی ہمیں پکار رہا ہے۔ آج بھی کام کرنے کی شدید ضرورت ہے آج بھی سعادت و خوشبختی کا اور شہداء کا راستہ منتظر ہے کہ کوئی محمد علی نقوی بن کر آئے اور چھا جائے۔ آخر میں تعزیت و تسلیت عرض کرتے ہوئے یہی کہیں گے کہ

رونق تو وہی ہے پھر بھی جیسے
اک شخص کی شہر میں کمی ہے

ڈاکٹر محمد علی نقوی
شہید سچائی و حق گوئی کا پیکر

تحریر: سید امتیاز علی رضوی

ہر انسان کی جدو جہد کو اس کے ظاہری عمل اور اس عمل کے پیچھے پنہاں فکر کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ آج ڈاکٹر محمد علی نقوی کی شہادت کے اٹھائیس سال بعد پاکستان کے دینی حلقوں میں یہ بات مسلمہ ہو چکی ہے کہ شہید کا عمل صاف اور ان کی فکر درست تھی اگرچہ یہ بات ان کی حیات میں اس حد تک ثابت نہ تھی۔ متعدد علماء اور دیگر رہنما، جو ایک زمانے میں ان کے عمل کو خطرناک کہتے تھے اور ان کی فکر کو درست نہیں سمجھتے تھے لیکن آج وہ بھی شہید کے گن گا رہے ہیں۔ سچے انسانوں کو اپنی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے جان گنوانا پڑتی ہے۔ آیئے سچائی اور حق گوئی کے اس پیکر کی زندگی کے چند پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ہدایت کا چراغ

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کے عمل کی پاکیزگی اور ان کی فکر کی سچائی نہ صرف ان کی اپنی شخصیت میں تبدیلی لائی بلکہ ہزاروں لاکھوں دوسروں انسانوں میں تبدیلی کا موجب بنی ہے۔ بیرون ملک کے ایک اہم مذہبی رہنما نے ایک مرتبہ ایک پرائیوٹ محفل میں یہ کہا کہ میں پاکستان میں جس بھی دینی جوان سے ملا ہوں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ڈاکٹر محمد علی شہید سے متعلق رہا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر شہید کا یہ فیض آج تک جاری ہے اور ہر آنے والی نسل ان سے محبت میں شدید تر نظر آ رہی ہے۔ متحرک انسان ڈاکٹر شہید کی زندگی کا اہم ترین اور نمایاں پہلو ان کا ہمیشہ متحرک رہنا ہے۔ وہ نامساعد حالات میں بھی ہمیشہ متحرک رہتے بلکہ ایسے حالات ہی کو عمل کا بہترین وقت سمجھتے تھے۔ ان کی فکر یہ تھی کہ ہمیں اپنے آپ پر نامساعد حالات کا بوجھ ڈالنا چاہیے تاکہ ہم اپنے کندھوں پر ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکیں اور اپنے سینوں کو مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے کھول سکیں۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب بھی ایسے نامساعد حالات ہوں تو ہمیں اپنی ہر چیز قربان کر دینی چاہیے کیونکہ اگر ہم یہ نہیں کریں گے تو ہم دوسروں کے حملوں کی موجوں اور ان کی تحریکی کاوشوں کے فکری بھنور میں پھنس کر انہی کی بعض حرکات کی نقالی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یہ فکری تحرک انہیں عملی طور پر بھی متحرک رکھتا تھا۔ سفر کرنا ان کا معمول تھا۔ عید ہو یا کوئی اور تہوار وہ حرکت ہی میں ہوتے تھے۔ دوستوں سے ملنا، کاموں کو منظم کرنا اور مستقبل کی منصوبہ بندی کرنا وہ چلتے پھرتے انجام دے لیا کرتے تھے۔

آگاہ و بیدار انسان

ڈاکٹر محمد علی شہید کی فکر کے مطابق اگر ہم اپنے گرد و پیش میں رونما ہونے والے واقعات سے بے اعتنا رہیں اور اپنے ارد گرد ہونے والی تبدیلیوں

سے بے خبر ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی ذات، تشخص اور حقیقت سے متصادم کسی بھی واقعے اور چیز کو تسلیم کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اسی لئے حق و صداقت کے مدعی کو اپنے تشخص کی بقا کے لیے اپنی تمام تر خواہشات، رجحانات قلب و وجدان اور حرکات و اعمال کے ذریعے جدوجہد کرنا چاہیے۔ بلاشبہ وہ جانتے تھے کہ یہ جدوجہد پہلے بازو و دل سے ہوگی اور پھر وجود اور سر کا تقاضا کرے گی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے آج اپنے دلوں اور سروں کو قربان نہ کیا تو دوسرے لوگ بڑی ڈھٹائی سے ایسی جگہ اور وقت میں ہم سے ان کا مطالبہ کریں گے جب ہم اختیار سمیت اپنا سب کچھ کھو چکے ہوں گے۔ پیشے کے لحاظ سے میڈیکل کے شعبہ سے وابستہ یہ شخص عالمی و ملکی حالات پر ایک زیرک سیاستدان کی طرح گہری نظر رکھتا تھا اور آئندہ پیش آنے والے حالات کو بھانپ لیا کرتا تھا۔

ڈاکٹر شہید میں غیر معمولی لگن اور قربانی کا جذبہ کیوں تھا؟

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی عمل و فکر کا ایک خاصہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی ضروریات کو جہان کی ضروریات اور خواہشات کے مطابق ڈھال لیا تھا مثلاً دنیا میں عدل و انصاف کے قیام کو جہاں وہ دنیا کے لئے ضروری سمجھتے تھے وہاں اسے اپنی ذات کی بھی ایک ضرورت سمجھتے تھے۔ اجتماعی جدوجہد کرنے والوں میں یہ خاصیت کم و بیش ہی دیکھنے میں آئی ہے اسی وجہ سے ان کی جدوجہد میں وہ لگن اور قربانی کا جذبہ نظر نہیں آتا جو ڈاکٹر صاحب کی ذات میں قابل مشاہدہ تھا۔ ڈاکٹر شہید کی اپنی کوئی مخصوص دنیا نہ تھی بلکہ انہوں نے اپنے وجود کو اجتماع سے مربوط کر لیا تھا۔ فکری طور پر وہ اپنے اس تعلقات کی نوعیت کو سمجھتے تھے اور اس میں بالکل واضح تھے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں قبل از وقت اپنی وصیت لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ شہید کی یہ وصیت نشان دہی کرتی ہے کہ آپ کی زندگی کا تمام ہم و غم اجتماعی جدوجہد ہی تھا جسے آپ الہی کام اور اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔

ایک مفکر شخصیت

شہید ڈاکٹر کا عمل کے میدان میں بہت زیادہ متحرک ہونا اور اس کے برعکس تحریر و تقریر کے ذریعے ان کا کوئی قابل ذکر مواد منتقل نہ ہونا یہ تاثر دے سکتا ہے کہ وہ فکری لحاظ سے کمزور تھے یا وہ خود عمل کے لئے کسی فکری مشق کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ڈاکٹر صاحب فکری لحاظ سے مضبوط اور پختہ تھے اور غور و فکر کے عمل کو ہمیشہ جاری رکھتے تھے۔ راقم سمیت جن لوگوں کا ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رہا ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ ان کے ہر عمل کے پیچھے ایک گہری سوچ ہوتی تھی جو ایک فکری عمل کے نتیجے میں وجود میں آتی تھی۔ یہ بات ڈاکٹر شہید کی جدوجہد سے متاثر نوجوانوں کو پلے باندھ لینا چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب کا ہر عمل گہری فکری عمل کا نتیجہ ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے تحریری و تقریری طور پر زیادہ مواد نقل نہ ہونا اس وجہ سے تھا کہ انہیں اردو زبان پر عبور نہ تھا۔ ان کی بنیادی تعلیم افریقہ کی تھی لہذا انہیں اردو زبان پر دسترس حاصل نہ تھی۔ ڈاکٹر شہید فکر میں تقلید کے قائل نہ تھے بلکہ اپنے ذہن سے سوچتے تھے اور مسائل و خیالات کے تجزیہ تحلیل میں کمال کی مہارت رکھتے تھے۔ شہید ڈاکٹر کو کبھی بھی جذبات کی رو میں بہتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ ہر عمل کو منطق و عقل کی بنیاد پر انجام دیتے تھے۔ آپ جذباتی لوگوں کی بھی قدر کرتے تھے اور ان کے حسن نیت پر شک نہیں کرتے تھے لہذا ہمیشہ انہیں سمجھاتے اور ان کے احساسات کو توازن پر لانے کی کوشش

میں لگے رہتے تھے ۔ایک وسیع النظر انسان ڈاکٹر شہید جیسی انسانی روح کا ارتقاء تعامل فکر کے ذریعے اور اس کی روشنی میں ہوتا ہے۔ ایسے انسان اپنی ذات میں اور اپنے نفس کے باطن کی گہرائی سے مسلسل غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور نفس کی کمزوری اور جذباتیت کی وجہ سے جو اوہام پیدا ہوتے ہیں ان سے چھٹکارا پانے کے لیے تنگ نظری کے خول کو توڑ دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کی ان حقائق کے ساتھ ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے، جن میں کوئی کجی یا گمراہی پیدا نہیں ہوسکتی۔ آپ کی وسعت نظر کا ہر

ایک قائل تھا لہذا مخلوق خدا کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کے مسائل حل کرنے میں آپ کی دلچسپی عروج پر تھی۔

کائنات کی روحانی تعبیر پر ایمان

ڈاکٹر شہید کی شخصیت کوئی ایسی شخصیت نہ تھی جو صرف کام برائے کام کرنا چاہتی ہو بلکہ وہ کائنات کی روحانی تعبیر پر ایمان رکھتے تھے اور اسے ہی اپنی جدوجہد کا محور سمجھتے تھے- وہ یہ جانتے تھے کہ معاشرے اپنے تشخص کو کھو رہے ہیں، عالمی سطح پر شیطنت کے کھیل کو وہ سمجھ چکے تھے اور اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ ہر برائی کے مقابل رحمانی قوتوں کا ظہور ہوتا ہے اور وہ ہی انسانوں کے نجات دہندہ بنتے ہیں- وہ اپنے آپ کو اس وسیع رحمانی کائناتی جدوجہد کا حصہ سمجھتے تھے۔ ایک عالم و روحانی کے گھر میں متولد ہونے اور قرآن وحدیث کے سائے میں پرورش پانے نے خود ڈاکٹر شہید کی اس فکری پاکیزگی کو جلا بخش دی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ہماری عملی وفکری زندگی اور اس کی جدوجہد ہماری روحانی زندگی کے لئے ہے، جو ہماری دینی فکر کا جزو لاینفک ہے۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جس طرح ظاہری عبادات اور ذکر وتسبیح کے ذریعے قلب وروح کی روحانی زندگی میں رفعت پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اجتماع میں رہنا اور اس کی اصلاح وفلاح کے لئے محنت وجدوجہد کرنے کا تعلق بھی روحانی زندگی سے ہے۔ خلاصہ یہ کہ ڈاکٹر شہید کی زندگی ایک حقیقی مؤمن کی زندگی تھی جس کا ہر کام عبادت، ہر فکر مراقبہ، ہر کلام مناجات، ہر عمل معرفت کی رزمگاہ، کائنات کا ہر مشاہدہ چھان پھٹک اور نگاہ شوق اور اپنے دوستوں اور ہم نشینوں کے ساتھ رحمت وشفقت پر مبنی ہوتا تھا۔ ڈاکٹر شہید کی فکر اور ان کے عمل کو زندہ رکھنے کی ضرورت آج کے نمایاں دینی وغیر دینی رہنما اور تمام اہم جماعتیں اور تنظیمیں اپنے آپ کو ڈاکٹر شہید کے نقش قدم پر چلنے کی دعویدار ہیں اور اپنے آپ کو پاکستان میں ان کے قائم کردہ اصول عمل کی وارث قرار دیتی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ حب منشا عوامی محبت اور تقدس حاصل نہیں کر پائیں- وہ یا تو غیر متحرک ہوگئیں یا پھر گروہ در گروہ تقسیم ہوگئیں جس وجہ سے معاشرے میں کوئی قابل ذکر مثبت کردار ادا نہیں کر پائیں- بعض اہل نظر کے مطابق انہوں نے راہ راست سے بھٹک کر منفی پہلوؤں کو اختیار کر لیا ہے۔ ایسے موقع پر جب ہم شہید کی اٹھائیسویں برسی منا رہے ہیں ہمارے راہنماؤں اور ملی تنظیموں کو اپنے اندر اس حقیقی عمل وفکر جس کے ڈاکٹر شہید امین تھے کے نہ پائے جانے کا سبب تلاش کرنا چاہیے۔ یہ جاننا چاہیے کہ حقیقی ایمان اور کردار کے خلوص کی وہ جھلک جو ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا خاصہ تھا جو کیسی بھی صورتحال ہو ان کی ذات اور ان کے اجتماعی کاموں میں نمایاں تھا اب کہاں ہے یا اس کا رنگ پھیکا کیوں پڑ گیا ہے

کربلا کا زخمی سپاہی ۔۔۔۔۔ منفرد بندۂ خاکی
(اب تک ہے جس کے ہجر میں سارا چمن اُداس)

تسلیم رضا خان

سال 1984 میں آئی ایس او پاکستان کی مجلس عاملہ کا پہلا اجلاس جعفریہ کالونی لاہور میں منعقد ہوا۔ مرکزی صدر برادر سید امتیاز علی رضوی تھے جو ہر حوالہ سے خوب صورت اور کامل شخصیت تھے میں ڈیرہ اسماعیل خان ڈویژن کی طرف سے بطور ڈویژنل صدر نمائندگی کر رہا تھا۔ میری تنظیمی حیات کا یہ پہلا اجلاس تھا جس میں تنظیم کے با صلاحیت، روشن فکر اور صالح برادران شریک تھے۔ علماء کرام واجب صد احترام کی معقول تعداد بھی موجود تھی۔ تنظیمی برادران ملک وملت اور تنظیم و تعلم کے مستقبل کو ماضی اور حال کی روشنی میں سنوارنے کی منصوبہ بندی اور آئین سازی میں مصروف تھے جبکہ علماء کرام قرآن وسنت وعترت کی تعلیمات پر مبنی پُر مغز دروس دے کر ہماری فکری، نظریاتی اور روحانی تربیت فرما رہے تھے۔ آئین سازی اور کردار سازی کا حسین امتزاج روایتی اذہان پر دستک دے رہا تھا۔ فکر کے زاویے بدل رہے تھے۔ مقصد حیات واضح ہو رہا تھا۔ ملک کی سالمیت، ملت کی حقانیت، تعلیم کی حیثیت اور تنظیم کی اہمیت کے رموز افشاں ہو رہے تھے۔ گویا کہنے کو تو مجلس عاملہ کا اجلاس تھا در حقیقت ایک مکتب کا ماحول تھا جس میں آخرت کے امتحان کیلئے زندگی کا سلیبس پڑھایا جا رہا تھا۔

میرے لیئے یہ اجلاس دو حوالوں سے منفرد تھا ایک یہ کہ مکمل طور پر فکری، نظریاتی، روحانی، آئینی اور تنظیمی اجلاس تھا جو زندگی پر گہرے نقوش مرتب کر رہا تھا۔ دوم یہ کہ یہاں مجھے اپنے دو پیر و مرشد شخصیات کی زیارت ہوئی اور دل میں اترنے والی انکی گفتگو سننے کا موقع نصیب ہوا۔ یہ عاشقانِ خدا، سفیران کربلا آنکھوں کے راستہ میں دل میں اترنے اور اضطراب پیدا کر گئے۔ رفتہ رفتہ شرفِ ملاقات میسر آیا تو ان کی قربتوں نے مقدر سنوار دیے۔

واضح رہے کہ پیر و مرشد شخصیات سے مُراد سفیر نور علامہ سید عارف حسین الحسینی " اور سفیر انقلاب ڈاکٹر محمد علی نقوی " ہیں مجھے فخر ہے کہ میرے دونوں پیر و مرشد فرزندانِ حسینؑ ہیں۔ مُرشد سے مجھے روحانی رشد حاصل ہوا اور قرآن وعترت سے تمسک کی توفیق ملی۔ ایک بار میں نے سفیر نور کی دست بوسی کی کوشش کی تو انہوں نے جنبش سے کھینچ لیئے اور اسی لمحہ ایسی ہی جنبش سے میری آنکھیں چھلک پڑیں پھر یوں ہُوا کہ انہوں نے وہ دست مبارک میرے سر پر رکھا اور دُعا دی۔ لاریب یہ فرزند حسینؑ کی اس دُعا کا اثر ہے جو مجھ جیسے ایک عاصی کو حر کے قبیلے کا فرد شمار کر گئی۔

سفیر انقلاب کو اپنا پیر اسلئے سمجھتا ہوں کہ میں ان کا پیروہوں۔ وہ میرے تنظیمی رہنما تھے جن کی پیروی نے مجھے نہ صرف فکر بخشی بلکہ آداب حیات سکھائے۔ خدا جانے انہیں میری کونسی نیاز مندانہ ادا پسند آئی کہ انہوں

ماہنامہ افکار العارف لاہور

مارچ 2023

نے ایک کھلنڈرے اور بے ترتیب انسان کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ایک بے وقعت شخص کو باوقعت لوگوں میں عزت اور اہمیت دی۔ بات کرنے کا حوصلہ بخشا۔کبھی مسافتوں میں اپنا شریک سفر رکھا،کبھی بار اہم ملاقاتوں میں ساتھ لے گئے۔ یقیناً وہ مجھے اپنی حکمت کے مطابق تراش رہے تھے اور میں اپنی حیثیت کے مطابق ان کی فیضان کرنیں جذب کر رہا تھا۔انھوں نے مجھے اعتماد بخشا، پردیس میں احساس تحفظ عطا کیا،ہمیشہ مثبت انداز اپنانے کا سبق پڑھایا، خامیاں اور کمزوریاں دور فرمائیں۔ آڑان بھرنے کا سلیقہ سکھایا۔ خدا کے قریب کرنے۔ محمدؐ و آل محمدؐ کے مقاصد عالیہ سے آگاہی دینے، تعلیم میں آگے بڑھنے اور تنظیم کو شعوری طور پر اپنانے اور کاربند رہنے کی ہر لحظہ تلقین فرمائی۔

میں نے چھ سال ان کی قربتوں سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کی۔وہ علم،حلم،فکر،درد،خلوص،تقویٰ،دوراندیشی اور منصوبہ سازی کا عمیق سمندر تھے۔ اپنے چھوٹے سے ظرف کی وقعت ہی کیا تھی کہ ایک سمندر کو سموتے یا سماتے۔بس زیارت کرنا،ہر ادا کو دیکھنا،گفتگو کے پھول چننا اور فکر کی خوشبو لینا اپنے مقدر میں آیا۔عالم یہ تھا کہ ان کی مشفقانہ چھاؤں میں نہ غموں کی دھوپ محسوس ہوتی تھی نہ پردیس میں احساس اجنبیت، نہ دیارِ غیر میں احساس غربت ہوتا تھا اور نہ فاسد ماحول میں احساس عدم تحفظ۔ایک شخص کے ساتھ رہ کر ایسے لگتا تھا جیسے ایک جامعہ،ایک حوزہ یا ایک مکتب میں رہ رہے ہیں جنکی کرامت اور فیض نظر سے آداب فرزندی سیکھنے کو مل رہے تھے۔ خدا رحمت فرمائے اس بندہ خاکی پر جب تک جاگتا رہا حقیقت کا مینار تھا جب ابدی نیند سویا تو امر ہو گیا۔

بقول اقبالؒ

زمیں سے نوریاں آسماں پرواز کہتے ہیں
یہ خاکی زندہ تر،تابندہ تر،پائندہ تر نکلے

واضح رہے کہ ایک بندہ خاکی جب ارد گرد کے لوگوں سے مثبت طور پر بہت مختلف نظر آئے یا اس کا باطن اس کے ظاہر کا ترجمان دکھائی دے یا وہ ایک ہی وقت میں کئی زاویوں پر حد کمال کو چھوتا محسوس ہو تو دیکھنے والے لوگ حیران اور سوچنے والے افراد ایسے شخص کے بارے میں گم سم ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص علماء کا مخصوص لباس پہنے بغیر علماء والی ذمہ داریاں نبھاتا نظر آئے، رہنمائی کا تمغہ سجائے بغیر بہت سارے ظاہری رہنماؤں سے ممتاز دکھائی دے، شانوں پر ہتھیار اٹھائے بغیر مجاہدین کا امام محسوس ہو، قوم کے بچوں کے ساتھ محب، نوجوانوں کیساتھ ناصر، قوم کیساتھ کارکن، علماء کے درمیان مفکر، ترقی انسانیت کے درمیان مسیحا،حلقہ یاراں میں ابریشم،مخالفین کے سامنے فولاد، دن کی روشنی میں سپاہی اور رات کی تنہائی میں اللہ کا مومن نظر آئے تو ایسے بندہ خاکی کو ملکوتی انسان تصور کیا جاتا ہے کیونکہ ایسے انسان کی روح کا رشتہ براہ راست خدا سے منسلک ہوتا ہے ایسے شخص کو قرآن ولی اللہ کہتا ہے اور محمدؐ و آل محمدؐ اپنے نور کا حصہ قرار دیتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب ہماری صفوں میں بھی ایک ایسا ہی منفرد بندہ خاکی ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کی شکل میں دکھائی دیتا تھا۔ویسے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نحیف انسان کے اندر اسرار و رموز کے کتنے خزانے پوشیدہ تھے تاہم جن برادران نے اس ملکوتی روح کو قریب سے دیکھا تھا وہ آج بھی شاہد ہیں کہ یہ بندہ مومن بولنے سے زیادہ دیکھتا تھا، دیکھنے سے زیادہ سوچتا تھا،سوچنے سے زیادہ عمل کرتا تھا،عمل کرنے سے پہلے ہر قدم اور ہر جنبش کو قرآن وعترت کے آئینہ میں پرکھتا تھا اور ہر عمل کا انجام اپنے حقیقی خالق کے سپرد کر دیتا تھا۔ اللہ نے اسے آنکھیں بھی دی تھیں اور نگاہ بھی۔وہ ایسا انقلاب پرور تھا جو سوچ اور قلب تبدیل کرتا تھا۔

وہ کئی قومی اداروں کا بانی، تنظیموں کا خالق، انقلابات کا محرک، قومی وقار کا ترجمان، ملی عظمتوں کا پاسبان، جواں جذبوں کا سالار، رہبروں کا رازدار، وطن عزیز کا محافظ اور سامراج کا ازلی مخالف تھا۔

وہ سادگی کا پیکر، شاہانہ مزاج رہنماؤں سے بلند قامت نظر آتا تھا، وہ حقیقتوں کا امین مصلحتوں سے پاک تھا وہ حقیقی رہبر تھا جو نبض پر ہاتھ رکھتا تھا تو نبضیں تیز ہو جاتی تھیں۔وہ قافلے ترتیب دیتا تھا، زندگی کی نئی تفسیر بتاتا تھا اور نوجوانوں کو خودی کی تعبیر سے روشناس کرتا تھا۔سادگی اسکی گہرائی اور

گفتگو اسکی سچائی تھی۔

وہ خوش کلام تھا اتنا کہ اس کے پاس ہمیں
طویل رہنا بھی لگتا تھا مختصر رہنا

سننے والوں کو یاد ہوگا کہ وہ فرمایا کرتے تھے رشتے خون کے نہیں ہوتے رشتے احساس اور نظریہ کے ہوتے ہیں ،کامیابی حوصلوں سے ملتی ہے، حوصلے دوستوں سے ملتے ہیں۔ ہمارے رشتوں کی بنیاد توحید و رسالت ہے ہمارے نظریہ کی اساس قرآن مقدس ہے اور ہمارے احساس کا محور عترت مکرم ہے۔ اسلام ہمارا دین ہے وحدت مسلمہ ہمارا مشن ہے۔ وطن عزیز کی سرحدوں کی حفاظت ہمارا فریضہ ہے امریکہ مردہ باد ہمارا نعرہ ہے۔

بزرگ دوستوں کو یہ بھی یاد ہوگا کہ جب آئی ایس او کے کنونشن یا مجلس عاملہ کے اجلاس میں علماء کرام کے پرمغز دروس ختم ہو جاتے تھے تو آخری نشست کا اختتامی کلمات بیان کرنے کیلئے یہ مجاہد اپنی اذان دینے آتا تھا اسکے اللہ اکبر کی ادا، حی الفلاح کی دعوت، حی علی خیر العمل کی پکار اور لا الہ الا اللہ کی للکار میں جو خلوص اور درد ہوتا تھا وہ لہو گرماتا تھا، وہ دماغ کے کوہساروں پر جمی ہوئی برف پگھلاتا تھا، وہ دل پر جمے ہوئے زنگ کر دیتا تھا، وہ اپنے مخصوص انداز میں فرماتا تھا اے عزیز دوستو! اپنے خدا سے اپنا رشتہ مضبوط کرلو، کیونکہ کسی پاکیزہ اور مضبوط ربط کے بغیر کٹھن سفر کرنا یا منزلیں پانا مشکل ہوتا ہے۔ اے تنظیم میں شامل ہونے والے بھائیو! اپنے اندر تنظیم لے آؤ۔ اپنے اپنے حلف کی پاسداری کرو اور پاکیزہ نفوس اور اعلےٰ تعلیم کیساتھ اپنی ملت کی آبیاری کرو۔۔یہی وفاداری ہے یہی علمداری ہے۔

احساس کرنے والے اب بھی محسوس کرتے ہوں گے کہ ڈاکٹر نقوی قوم کی تسبیح کا مضبوط دھاگہ تھا جس کے ایک مرحلہ میں علما کرام دوسرے مرحلہ میں نوجوان اور تیسرے مرحلہ میں قوم کے موتی پروئے ہوئے تھے یہ تینوں مرحلے اسکے گرد گھومتے تھے وہ ہر مرحلہ کا درد سمجھتا تھا اور تمام کو ایک دوسرے سے مربوط رکھتا تھا اسکی زندگی درد سے عبارت تھی قومی معاملات کا توازن برقرار رکھنے کیلئے ،بزرگ سوچوں کو نوجوان سوچوں سے ہم آہنگ رکھنے ،جمود کا شکار لوگوں کو حرارت عطا کرنے اور متحرک لوگوں کو سمت فراہم کرنے کا ہنر صرف اسی ہی کو آتا تھا اور اسکے اس ہنر کا محور اسکا درد اور خلوص تھا۔ جبکہ اسکے درد اور خلوص کی امام اسکی بللہیت ؛(خدا پرستی) تھی مذکورہ تین مراحل کی کامیاب تکمیل کیلئے ڈاکٹر نقوی پر کیا گزری اس کا درد صرف وہی محسوس کر سکتے ہیں جو اسکے ہمسفر تھے یا اس حقیقت کا اعتراف وہی کر سکتے ہیں جو آج کے اختلافات سے دوچار ہیں یا مشکلات سے پریشان ہیں

بہت سارے لوگوں کی خواہش ہوتی تھی کہ تنظیم ۔تحریک اور قومیات میں انہیں ڈاکٹر نقوی کا مقام ومرتبہ نصیب ہو یا آج بھی بجا طور پر کوئی جوان ایسی خواہش کا طالب ہوسکتا ہے کہ وہ قوم کی ڈاکٹر صاحب کی طرح خدمت کرے کسی بھی رہنما کا ہمقدم ہونا یا کسی رہنما کی تقلید میں ویسی خدمات سرانجام دینے کا جذبہ رکھنا اچھی بات ہے مگر ایسے تمام احباب پر واضح ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر نقوی بننے کیلئے پہلے اپنے نفس کو خدا کی راہ میں مارنا پڑتا ہے اور پھر اپنے جسم کو اتنے ہی سخت مراحل سے گزارنا پڑتا ہے جتنے مراحل سے اناج کا دانہ چکی کے دو پڑتوں کے درمیان مصائب سے گزرتا ہے دنیائی خواہشات سے بالا تر ہونا دین کے معاملہ میں ؛فنا فی اللہ؛ ہو جانا ۔قرآن وسنت کا حقیقی فرزند بن جاتا اپنے وقت اور سکون کو قوم پر نچھاور کرنا

گھڑی کی سوئی کیطرح مسلسل حرکت میں رہنا قومی مفادات کے تحفظ کیلئے ہر محاذ پر نبرد آزما نظر آنا قیادتوں کا زور بازو بننا جگہ جگہ علم کی شمعیں جلانا، بیواؤں اور یتیموں کی سر پرستی کرنا، نو جوانوں کو آدھ سحر دینا مدرسہ مکتب، محراب و منبر کا نظریاتی تحفظ کرنا اور پھر ان تمام امور کا ایسا حق ادا کرنا جیسا کہ ان کا حق ہے انہوں نے ثابت کیا کہ خدا ان کا حامی و ناصر تھا راستے انہیں داد دیتے تھے منزلیں انہیں سلام کرتی تھیں اور ایسا اس وقت ممکن ہوتا ہے

جب آدمی کی ریشے ریشے میں سماجاتا ہے عشق
شاخ گل میں جس طرح بادسحرگاہی کا نم

مردم شناس کہتے ہیں کہ انسان کی شخصیت پر اسکے نام کے اثرات ہوتے ہیں یقیناً ہم نے دیکھا کہ ڈاکٹر نقوی کی شخصیت محمد اور علی کے نور کی ایک کرن کی عکاس تھی، شجرہ نسب کی طرف سے بھی اور بندہ مومن کے حوالہ سے بھی ... حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ مشکلات کے محاذ پر مردوں کے جوہر نظر آتے ہیں واقعاً جہاں مصائب و آلام یا خطرات و خدشات کے طوفان امڈتے تھے وہاں بڑے بڑے لوگوں کے پتے پانی ہونے لگتے اور حواس بگھڑنے لگتے تھے مگر یہ مرد مجاہد سینہ تان کر سامنے آتا تھا اور للکار کر کہتا تھا

اس کربلا میں پہلے میرا سر قلم کرو
پھر تم یزید وقت کا اونچا علم کرو

وہ کربلا کا زخمی سپاہی ادب اور جرأت کا استعارہ تھا۔ بطور مودب علما کے پیچھے چلنا اور بطور محافظ علما کے آگے ہونا اس کا شعار تھا یقیناً دین کی ذمہ داری ایک شجاع ہی نبھا سکتا ہے اور یہی وصف کسی میر کاروان کو ممتاز بناتی ہے اور قوموں کو احساس تحفظ فراہم کرتی ہے بزدل انسان کو سمندر کی ہر لہر میں طوفان اور مگر مچھ نظر آتے ہیں۔ مفاد پرست رہنما مجبوری کے پردے اور مصلحت کی تہہ میں چھپ جاتا ہے جبکہ دلیر رہبر کو سمندر بھی خشک صحرا دکھائی دیتا ہے ایک اور صفت جو کسی قائد کیلئے ضروری ہے

وہ استقامت ہے بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر نقوی نگاہ بلند سخن دلنواز جان پرسوز کے ساتھ ساتھ شجاعت اور استقامت کا پیکر تھے

یہی وجہ ہے کہ کوئی دوسرا میر کارواں ان کا ثانی نہیں ہو سکتا واقعاً جو جواں مردوں کیطرح جیتے ہیں وہی جواں مردوں کیطرح مرتے ہیں

ڈاکٹر صاحب ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ قائد ملت جعفریہ علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ لاہور میں ایک احتجاجی جلوس کی قیادت کر رہے تھے حالات بے حد سنگین تھے کسی بزرگ نے مشورہ دیا کہ خطرات کے پیش نظر استخارہ فرمالیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے قیادت سنبھالتے وقت استخارہ کیا تھا۔ اب وہی استخارہ ہر بات کا استخارہ ہے ڈاکٹر صاحب کے رفقا کو یاد ہو گا کہ آپ فرماتے تھے اسلام کا سفر کرنے سے پہلے اور ذمہ داریوں کا حلف لینے سے پہلے اپنے نظریات میں نہایت واضح ہو جاؤ کیونکہ نظریہ میں غیر واضح فرد تذبذب کا شکار رہتا ہے متذبذب انسان ثابت قدم نہیں رہتا اور بالآخر عقل کا خیالات سے رشتہ جلدی ٹوٹ جاتا ہے دین زبان کا ذائقہ نہیں ہے کہ بدلتے رہو وہ دل پیدا کرو جو تمہیں خدا شناس بنا دے اور وہ آنکھ پیدا کرو جو تمہیں منزلوں کا پتہ دے خوف خطرہ اور خدشہ جھوٹے خدا پیدا کرتا ہے ایسا نظریہ رکھنے کا کیا فائدہ جس کے اظہار سے ندامت ہو خدا رحمت فرمائے اس بندہ خاکی پر کہ کیا کمال کا ظرف تھا

اختلاف رائے کا خندہ پیشانی سے احترام کرتے تھے اپنے اوپر ہونے والی تنقید کو سر جھکا کر سنتے تھے۔ تنقید برائے اصلاح کے قائل تھے جھوٹ اور الزامات سے شدید نفرت تھی کوئی سخت بات کر دیتا تو فرماتے آپ سے توقع نہ تھی برادران سے کہتے تھے کہ شعور کے بغیر تنقید ذاتیات ہے تحقیق کے بغیر عقیدہ جہالت ہے انسان کی سب سے بڑی قوت قوت برداشت ہے جبر لوگوں کے اور صبر پہاڑوں کے سینے چیرتا ہے غصہ اعتماد میں کمی کا نام ہے خامیاں انسانی مرکب کا حصہ ہیں۔ غلطی تسلیم کرنا آدمیت اور ڈٹ جانا ابلیسیت ہے ہم جتنی کوشش خامی چھپانے کیلئے کرتے ہیں اتنی کوشش سے خامی دور ہو سکتی ہے غلط فہمی کا علاج تحقیق ہے۔ رشتے اس وقت ٹوٹتے ہیں جب انسان اپنے سوالوں کا جواب خود ہی دیتا ہے اللہ سے ڈرنے والا نہ بدلہ لیتا ہے نہ بغض رکھتا ہے

سفیر انقلاب نے پاکستان میں مردہ باد امریکہ کے نعرہ کو رواج دیا تو کسی نے پوچھا کہ آپ امریکہ کے اس لیے مخالف ہیں کہ ایران اسکا مخالف ہے آپ نے فرمایا میں ایران کا اس لیے حامی ہوں کہ وہ اسلام کا حامی ہے اور امریکہ کا اس لیئے مخالف ہوں کہ وہ مسلمانوں کی تمام تر مصیبتوں کا ذمہ دار ہے وہ میرے وطن عزیز پاکستان کی سالمیت کا دشمن ہے وہ فرقہ واریت کے ذریعہ ہماری دھرتی کا استحکام برباد کرنا چاہتا ہے

آپ کو قرآن وسنت سے عشق تھا آپ پاکستان میں منعقدہ قرآن وسنت کانفرنسز کے بانی تھے آپ سفیر نور شہید علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ کا دست راست اور زور کمر تھے آپ کا دعوی تھا۔قرآن وسنت ہمارے ایمان کی اساس ہیں ہم ہی اسکے حقیقی وارث ہیں اگر ملت جعفریہ کو کوئی قرآن و سنت کے علاوہ کسی آئینہ میں دیکھنا یا ثابت کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کی خام خیالی ہے قرآن وسنت ہمارا ایمانی ہتھیار ہے جس سے ہم نے سامراج کا مقابلہ کرنا ہے اور قلعہ لا الہ الا اللہ کو اپنا مورچہ قرار دینا ہے۔میں ذاتی امور اس حقیقت کا گواہ ہوں کہ ہمارے تنظیمی زمانہ میں ہمارے ہاتھوں میں قرآن مجید کے نسخے ہوتے تھے ہمارے تنظیمی احباب سفر وحضر میں تلاوت کرتے رہتے تھے مرکزی دفتر میں موجود اکثر برادران نماز تہجد ادا کرتے تھے اور باقاعدگی سے درس قرآن ہوتا تھا

نوجوانوں کی اس تربیت میں علما کرام بالخصوص محسن ملت علامہ سید صفدر علی نجفی کی روحانی صحبتوں کا اثر تھا جبکہ ان عوامل کے پس پردہ ڈاکٹر نقوی شہید کا درد اور خلوص کارفرما تھا آپ دو حوالوں سے برادران امامیہ کو پاکیزہ صفات کا حامل دیکھنا چاہتے تھے ایک یہ کہ آپ سرپرستی کی ذمہ داری محسوس کرتے تھے دوم فطری طور پر انسان دوسرے دوست کو خود جیسا دیکھنا چاہتا ہے یہ بات میرے مشاہدہ میں شامل ہے کہ میں نے سفیر انقلاب کو ان تمام خوبیوں کا مالک پایا ہے جو قرآن پاک کی سورہ فرقان میں عباد الرحمن کیلئے واضح فرمائی گئی ہیں کہ اللہ کے بندے وہ ہیں 1 جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں 2 جہلا سے کنارہ کش رہتے ہیں 3 رات سجدہ اور قیام میں گزارتے ہیں 4 عذاب کے خوف سے گڑگڑا کر التجائیں کرتے ہیں 5 اخراجات میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں 6 صبر کرتے ہیں 7 قتل اور زنا کے مرتکب نہیں ہوتے 8 جھوٹی گواہی نہیں دیتے 9 بے ہودہ باتوں سے شریفانہ انداز میں گزر جاتے ہیں 10 رب کی نصیحت کو غور سے سنتے ہیں 11 اللہ ایسے ایمان والوں اور توبہ کرنے والوں کی برائیاں نیکیوں میں بدل دیتا ہے اللہ بڑا غفور الرحیم ہے (الفرقان ۶۳ تا ۷۰)

آپ نوجوانوں سے فرمایا کرتے تھے اللہ پاک انتہائی رحمن ،رحیم غفور اور کریم ہے اس ذات اقدس نے انسان کی نجات کیلئے چار نکاتی ایجنڈہ سورہ العصر میں واضع کر دیا ایمان اعمال صالح حق اور صبر کی تلقین اور دو نکات نجات رسول خداؐ نے حدیث ثقلین میں واضح فرما دیے ہیں ایک قرآن اور دوسرا عترت سے شعوری تمسک (لگاو اور اطاعت) مومن خدا کو مانتا ہے اور خدا کی مانتا ہے محب اپنے امام کا پیروکار ہوتا ہے جسے خدا کی مخلوق سے محبت نہیں اُسے خالق کی محبت کا دعوی زیب نہیں دیتا نفسانی بتوں کے مندر توڑنا ابراہیمی ہے

جس کی زندگی یزید جیسی ہو ان کی آخرت حسین جیسی کہاں ہو سکتی ہے ظاہر اور باطن کا تضاد شیطانیت ہے

آپ تنظیمی برادران اور فرزندان کے لئے دو زاویوں پہ کام کر رہے تھے ۔پرائمری سطح پہ المصطفےٰ سکولز اور اعلےٰ سطح پر پی ایس ایس اکیڈیمیز کا قیام ۔آپ کی کوشش تھی کہ ملت تشیع کے فرزندان صالح اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں اس حوالہ سے آغا خان کے تعلیمی پروجیکٹ کو سراہتے تھے ۔انڈیا کے ایک چرچ کا حوالہ دیا کرتے تھے کہ اسکی آمدن سے بیسیوں تعلیمی ادارے چل رہے ہیں جبکہ ہمارے قومی سرمایہ کے استعمال کی سمت اس طرف نہیں ہے۔جماعت اسلامی کے اداروں کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ آشیانہ ہے جہاں ان کے نظریاتی ارکان ملازمت کرتے ہیں اور جماعت سے مربوط رہ کر اسکی خدمت بھی کرتے ہیں ۔جبکہ ہمارے ہاں ایسا کوئی ادارہ نہیں اور ہمارے قیمتی نظریاتی نوجوان دوسروں کی ملازمت کے لئے ہم سے جدا ہو جاتے ہیں ۔ہم محنت کرتے ہیں اور ہمارا سرمایہ کوئی اور خرید لے جاتا ہے۔

المختصر ان کی اولین خواہش تھی کہ قوم کا شخص ایک زندہ اور مثالی قوم جیسا ہو۔ نوجوان نظریاتی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں۔ قومی اداروں کی ایک مربوط صف ہو فلاحی اداروں کا مضبوط نظام ہو، نوجوانوں کا معاش بہتر ہو۔ کم از کم ایک قومی اخبار ہو جو ملک و ملت کا حقیقی ترجمان ہو، علما کرام اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہوں۔ قوم کے ترجمان مخلص اور نظریاتی ہوں۔ قرآن و عترت سے تمسک رکھنے والے قوم کا نظریہ قرآن جیسا اور رویہ عترت جیسا ہو۔ علم کے ذریعہ مخالف کا مقابلہ کیا جائے۔ وطن عزیز میں باوقار قوم کی حیثیت سے رہنے کے لئے سیاست اور ریاست کے کلیدی عہدوں پر فائز ہونے کے لئے اعلیٰ تعلیم کا ہونا لازم ہے۔

آپ ک رفقا اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ آپ کو جہالت سے شدید نفرت تھی۔ دین کا لبادہ اوڑھنے والے جہلا کو خوارج سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت علیؑ سے لڑنے والے ایسے ہی لوگ تھے۔ ہمارے وطن عزیز اور اردگرد میں میں آج بھی ایسے لوگوں کا چرچا ہے جن لوگوں کا نظریہ نہیں ہوتا وہ ہمیشہ دوسروں کے مفادات میں استعمال ہوتے ہیں کبھی انہیں مفاد پرست لیڈر، کبھی ادارے اور کبھی سامراج لوٹتا ہے۔ جہاد ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے کسی گروہ کی نہیں۔ آج کی فرقہ وارنہ دہشت گردی کا اسلام سے تعلق نہیں۔ قرآن پاک کی آیات اور رسول خدا کا عمل محبت کا امین ہے ہر نظریاتی گروہ کو پیغام پہنچانے کا حق حاصل ہے منوانے کا نہیں مخالفین کو مار کر جینا بھی ایک طرح کی موت ہے۔ مذہبی فرقہ پرستی مذہب نہیں ہوتی سازش ہوتی ہے۔ عقائد کی حفاظت صدق و صفا سے کی جاتی ہے اسلحہ سے نہیں تکفیری فتووں نے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

قوم کیا ہے اور قوموں کی امامت کیا ہے
کیا یہ سمجھیں بے چارے دو رکعت کے امام

سفیر انقلاب کو اپنی شہادت کا طلوع فجر کی طرح یقین تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سوتے کم اور کام زیادہ کرتے تھے۔ ان کے دل پر کوئی زخم تھا جو انہیں سونے نہیں دیتا تھا۔ بے شک سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت کی آرزو تھی وہ بندہ خدا کی شہادت کی تمنا لے کر کبھی اسلامی محاذوں پر مجاہدین کا ہمنوا رہا مگر غازی بن کر آیا تو اس نے حسرت پر حسرت کا اظہار فرمایا کہ کاش میں بھی مجاہدین اسلام کیساتھ سرخ رو ہوتا آخر کار 7 مارچ 1995 کی صبح لاہور میں خوارج مزاج فرقہ پرست دہشت گردوں کے ہاتھوں ملت اسلامیہ کا عظیم سرمایہ اور کربلا کا زخمی سپاہی شہید ہوگیا۔ آپ کے بچھڑنے کے بعد تنظیم، ملت اور ملی اداروں پر کیا گزری تاریخ اور حالات اس کے گواہ ہیں

آج 28 سال گزرنے کے باوجود ہر تنظیمی محفل میں آپ کا ذکر اور ہر سال آپ کے مرقد پہ عاشقان کا ہجوم اس بات کی شہادت ہے کہ خدا کو یاد رکھنے والے خدا کو یاد رہتے ہیں اور خدا ان کا تذکرہ امر کردیتا ہے آج ہر دل میں آپ کی محبت بہت سارے سوالات کا جواب ہے اور مزید سوچنے والوں کیلئے ایک سوال ہے

آج جب میں خود سے سوال کرتا ہوں کہ کیا ہم میں کوئی ان جیسا بھی ہے یا زندگی میں کبھی ان جیسا دیکھنے کو نصیب آئے گا تو خدا گواہ ہے کہ جواب مثبت میں نہیں ملتا، مشاہدہ بتاتا ہے کہ جتنی خوبیاں سفیر انقلاب میں تھیں ان کا رشتہ نہ ذاتی محنت سے ہے اور نہ کبھی انسانی تربیت سے محنت اور تربیت تو صرف نکھار پیدا کرتی ہیں ان گنت اوصاف خدائی عطا اور اصطفیٰ کا نتیجہ ہوتے ہیں قرآن گواہی دیتا ہے کہ اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے جسے پسند فرماتا ہے اپنے پیغام رسانی کیلئے منتخب کر لیتا ہے (الحج۔ 75)

الحمدللہ میں ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہوں جنہوں نے صرف سفیر نور اور سفیر انقلاب کی زیارت نہیں کی بلکہ ان کی قربت میں زندگی کے لمحات گزارے۔ دونوں فرزندان حسینؑ میری حیات کی کائنات ہیں اور میری شعوری اور نظریاتی زندگی کے امام (راہنما) ہیں مجھے یہ حسرت نہیں ہے کہ

میرا حسینؑ ابھی کربلا نہیں پہنچا
میں حر، ابھی لشکر یزید میں ہوں

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی
عزم و استقامت کا پیکر

تحریر۔ ڈاکٹر سید علی عباس نقوی
(برادر شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی)

یوں تو ڈاکٹر شہید ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے جنہوں نے نوجوان نسل میں مختلف مراحل اور مواقع پر بہت سی اہم صفات کو اجاگر کیا لیکن اس تحریر میں انکی شخصیت کے جس پہلو کا خصوصی طور پر ذکر کرنا چاہوں گا وہ ان کی شخصیت میں عزم و استقامت کا پہلو ہے میں نے ان کو بچپن ہی سے مشاہدہ کیا ہے اور کئی مواقع پر ان کی شخصیت میں عزم و استقامت کے پہلو کو بہت نمایاں پایا۔ مثال کے طور پر اگر میں ان کے ابتدائی تعلیمی زمانے کو دیکھوں جب وہ پرائمری سکول میں پڑھتے تھے اس وقت انہوں نے اسکاؤٹس تحریک میں دلچسپی لی اور اس میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا اور خود اور ان کے جو دوست ہوا کرتے تھے ان کو بھی اس سماجی خدمت میں پیش پیش رہنے کی ترغیب دی اس کے بعد جب وہ سینئر کیمرج (O Level) کمپالا میں تھے نوجوانوں کی ایک تنظیم our debateing society میں شمولیت اختیار کی اور اپنی صلاحیتوں کی بنا پر اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس دوران اس تنظیم کے کچھ مسائل کو جرات مندی سے حل کیا۔ انہوں نے اپنے دوستوں میں بھی دینی شعور اجاگر کیا اور آج بھی ان کے پرائمری اور سیکنڈری سکول کے دوست اب بھی دنیا میں جہاں جہاں بھی ہیں وہ انہی کی طرح دینی و سماجی شعبے میں مذہبی خدمات سرانجام دے رہے ہیں میں ان کے خصوصاً دو ساتھیوں کا ذکر کروں گا جو سینئر کیمرج (O Level) میں ان کے کلاس فیلو تھے دونوں ڈاکٹر ہیں ایک سویڈن میں رہتے ہیں اور وہاں کی مقامی تنظیم کے حج میڈیکل مشن کے سربراہ ہیں دوسرے کلاس فیلو برطانیہ میں رہتے ہیں وہ بھی ایک تنظیم کے سرگرم رکن ہیں اور اس ادارے کے حج میڈیکل مشن کے سربراہ ہیں اسی طرح ان کے ایک اور کلاس فیلو جو کہ نیروبی میں مقیم تھے حال ہی میں لندن میں مجھے ملے تھے اور وہ بھی ڈاکٹر شہید کو بڑے اچھے انداز میں یاد کرتے ہیں وہ اور ان کے والد بھی اسی طرح کی سماجی خدمات میں مشغول رہے ہیں ۔

دسمبر ۱۹۶۹ میں جب ڈاکٹر شہید لاہور آئے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا تو ابتدائی دنوں سے ہی انہوں نے تنظیمی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور ینگ شیعہ سٹوڈنٹ ایسوشن قائم کی ۔اس کے بعد امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کا قیام عمل میں آیا تو اس میں بحیثیت کارکن شمولیت اختیار کی اور اس کے بعد (ISO) اور ملت تشیع کی تاریخ سب قارئین کی نظر میں ہوگی ان دونوں تحریکوں میں ڈاکٹر شہید نے جو بھی کام اپنے ذمے لیا اس کو بے مثال عزم و استقامت کے ساتھ انجام تک پہنچایا، بہت سے لوگ جو اس وقت ان کے

ساتھ تھے وہ اس کی گواہی دیں گے کہ مختلف ادوار میں مختلف تنظیمی لوگوں نے ان کے ساتھ کام کیا ان میں بھی افراد کچھ دیر تنظیم کے ساتھ منسلک رہتے اور کام کرتے اور پھر تنظیم سے جدا ہو جایا کرتے یا اپنی نجی یا دیگر مصروفیات کی وجہ سے غیر فعال ہو جاتے تھے لیکن ڈاکٹر شہید نے جب بھی کسی بھی ادارے میں شمولیت اختیار کی تو باوجود مختلف مواقع پر اختلاف رائے رکھتے ہوئے انہوں نے کبھی بھی کسی مشن، کسی بھی ادارے کسی بھی تحریک، کسی بھی سماجی سرگرمی سے علیحدگی اختیار نہیں کی بلکہ نہ صرف یہ کہ اس سماجی شعبہ میں سماجی کام کو پروان چڑھایا بلکہ اپنے ساتھ ایسے جوانوں کو تیار کیا جو اس مشن کو تکمیل تک پہنچانے میں ان کے عزم میں ان کے ساتھ رہے یہی وجہ ہے کہ آج پورے پاکستان میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی ان سے متاثر

بہت سے افراد انہی کے قائم کردہ جذبے، استقامت اور عزم و ہمت کے ساتھ ابھی تک عمل پیرا ہیں اور اس کی بہت سی مثالیں بیان کی جا سکتی ہیں تحریک جعفریہ میں ان کا کردار، ملی شعبے میں ان کا دور دراز علاقوں میں خدمت سر انجام دینا، محاذ جنگ پہ جانا، اس کے بعد طلبہ کی تعلیمی مسائل میں ان کی خدمات، ان سب میں نظر آتا ہے کہ انہوں نے جس کام میں بھی ہاتھ ڈالا اس میں ان کا ایک مضبوط عزم و ارادہ ہوتا تھا اور پھر جو مشکلات پیش آتی تھی وہ ایسے استقامت سے اس کا مقابلہ کرتے تھے کہ ان کے ساتھیوں کو ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی مشکل ہے ہی نہیں ۔وہ اپنے ذمے زیادہ کام لیتے تھے چاہے وہ فکری کام ہوں یا عملی یہی وجہ ہے کہ آج ان کے قائم کردہ ادارے یا آغاز کردہ پراجیکٹس ان کے تربیت کردہ افراد کے ذریعے اندرون و بیرون ملک فعال ہیں۔

شہید ڈاکٹر کی عزم و استقامت کے حوالے سے چند نمونے ان کی زندگی سے لاتے ہیں جن سے قارئین کو باخوبی اندازہ ہو کہ یہ صفت ان کے اندر بدرجہ کمال موجود تھی سب سے پہلے ان کی انقلاب اسلامی سے وابستگی اور اس حوالے سے جو ان کی استقامت تھی اس کے متعلق بات کروں گا شاید بہت سے قارئین اس بات سے آگاہ نہ ہوں کہ ڈاکٹر شہید نے انقلاب اسلامی کی حمایت کا آغاز ۱۹۷۷ میں کیا جب شاہ ایران نے پاکستان کا سرکاری دورہ کرنا تھا اس موقع پہ تنظیم کی طرف سے ایک باقاعدہ اشتہار شائع کیا گیا لاہور

سے اور پھر وہ پاکستان کے تمام شہروں میں تقسیم کیا گیا جس کا عنوان تھا کہ" ہم قاتل شاہ کا استقبال نہیں کرتے" یہ اشتہار خفیہ طور پر تمام شہروں تک پہنچایا گیا اور پھر وہاں پہ نمایاں طور پر مساجد و امام بارگاہوں میں اس اشتہار کو آویزاں کیا گیا اس کچھ عرصے بعد ہی ،ابھی انقلاب کامیاب نہیں ہوا تھا لیکن لاہور میں مال روڈ پر خانہ فرہنگ ایران کے مرکز کے سامنے ایک احتجاجی جلوس بھی شاہ کے خلاف نکالا گیا اس وقت شاہ ایران کی انٹیلیجنس پاکستان میں بھی بہت منظم وفعال تھی لیکن ڈاکٹر شہید نے جو عزم کیا تھا کہ انہوں نے شاہ کے خلاف اور انقلاب اسلامی کی حمایت میں اقدامات کرنے ہیں تو انہوں نے اس میں بھرپور انداز سے نوجوانوں کی راہنمائی کی اور یہ وہ دور ہے کہ جو پاکستان میں ضیاء الحق کے اقتدار کا ابتدائی دور تھا اور اس وقت اس حوالے سے بڑی سختی ہوا کرتی تھی مگر اس کے باوجود بہت کامیابی سے مال روڈ پہ اس وقت کے شاہ میں ہوتے ہوئے اس کے خلاف جلوس نکالا گیا، بہر حال اس وقت یعنی ۱۹۷۷ سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک ڈاکٹر شہید نے انقلاب اسلامی کی حمایت یا اس کے مفادات کے تحفظ کے لیے اور اس کے خلاف ہونے والی ہر سازش کے خلاف آواز بلند کی نیز ڈاکٹر شہید کا امریکہ مردہ باد کا نعرہ بھی اسی عزم و استقامت کا ہی ایک حصہ ہے چونکہ امریکہ انقلاب اسلامی کی مخالفت کرتا رہا مسلمانوں پہ مصائب ڈھاتا رہا لہذا ڈاکٹر شہید نے اس حوالے سے خصوصی طور پر امریکہ مردہ باد کے نعرے کو پاکستان میں رائج کیا ۔

دوسری مثال یہ کہ ڈاکٹر شہید نے اپنے تعلیمی زمانے سے ہی تنظیمی سرگرمیوں میں ایک بھرپور کردار ادا کرنے کا عزم کیا تھا اور سب شاید ہیں کہ انہوں کے اپنے اس عزم و ارادے پر مشکلات کے باوجود استقامت دیکھائی اور انہوں نے ہر مرحلے میں اس وقت سے لے کر یعنی ۱۹۷۲ سے لے کر ۱۹۹۵ تک تنظیم (ISO) کا بھرپور نہ صرف ساتھ دیا بلکہ ہر موقع پہ اس کی رہنمائی کی ۔

تیسری مثال یہ کہ تحریک نفاذ جعفریہ جو کہ بعد میں تحریک جعفریہ کے نام سے مشہور ہوئی ڈاکٹر شہید نے جب اس میں شمولیت اختیار کی تو اس میں بھی ڈاکٹر نے عزم و استقامت کا مظاہرہ کیا اور سب سے پہلے جو بھکر میں اجتماع ہوا تھا اور تحریک نفاذ جعفریہ جہاں معرض وجود میں آئی ، اس وقت نوجوانوں کی نمائندگی کے لیے ڈاکٹر شہید کو اس سات رکنی کمیٹی کا حصہ بنایا گیا اس وقت سے لے کر آخر تک ڈاکٹر شہید نے اس تحریک کا ساتھ دیا ۔

ایک اور پہلو جوان کی عزم و استقامت پر دلیل ہے اور شاید بہت سی سماجی شخصیات میں اس کا فقدان ہو وہ یہ کہ جو لوگ سماجی خدمات میں مصروف عمل ہوتے ہیں وہ بعض اوقات اپنی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کو اس انداز میں نمایاں مقام تک نہیں پہنچا سکتے اپنی گوناگون مصروفیات کی وجہ سے لیکن آپ دیکھتے ہیں یا آپ نے سنا ہوگا کہ ڈاکٹر شہید نے بحیثیت ایک ماہر طبیب اپنی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کو نہ صرف روج پر پہنچایا بلکہ اللہ تعالی نے ان کے ہاتھ خصوصی شفا دی تھی اور وہ جس بھی مریض کو دیکھتے تھے ایک تو وہ دلچسپی کے ساتھ اس کا علاج کرتے تھے اور بہت سے واقعات ایسے ہیں کہ جن میں لوگ ہمیں بتاتے ہیں کہ انہوں نے ڈاکٹر شہید کو بہت ہی پر عزم شخصیت اور ان کے علاج میں حتی الامکان ان کے ساتھ مالی یا جیسے بھی ممکن ہو تعاون کیا لہذا یہ چند نمونے ہیں کہ جن کی روشنی میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر شہید ایک پر عزم اور صاحب استقامت شخصیت تھی اور یہ صفت ان میں بدرجہ کمال موجود تھی ۔

آہ
ڈاکٹر محمد علی نقوی

سید محمد عارف نقوی لاہور

وائے ناکامی فلک نے تاک کر توڑا اسے
حسینؑ نے جس ڈالی کو تازہ آشیانے کے لئے

محترم سید نثار ترمذی اور محترم ارشاد حسین ناصر نے مجھے حکم دیا کہ یہ بندہ ناچیز اپنے فہم و ورک سے ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کے بارے میں جو سمجھا اسے اپنی تحریر میں لائے

گزرنے کو تو 28 سال گزر گئے لیکن شاید ہی کوئی دن گزرا ہو کہ ڈاکٹر شہید کو کسی نہ کسی معاملے میں یاد نہ کیا ہو ڈاکٹر صاحب اور علامہ عارف حسین الحسینیؒ شہید کی شخصیات کو میں نے اپنے اندر جذب کر لیا تھا ان کے جانے کے بعد میں نہیں بلکہ ان کی دنیائی زندگی میں ہی انہیں جذب کیا تھا ایسے محسوس ہوتا تھا کہ یہ دونوں شخصیات ملکوتی ہیں اور خداوند کریم نے ان کو چُن لیا ہے اور روشن دلوں میں ان کی محبت راسخ کر دی تھی

شاید میری اس تحریر کو اس نہج پہ لیا جائے کہ میں نے بڑھا چڑھا کر لکھا ہے ایسا نہیں ہے میرے لکھنے سے نہ ڈاکٹر صاحب کا قد بڑھتا ہے اور نہ ہی ان کے درجات میں اضافے کا باعث بنتا ہے وہ اپنی ذات میں منفرد شخصیت تھے یہ دونوں شخصیات منتخب تھے ابھی تو وہ دم خم نہیں رہا اسوقت ایسے محسوس ہوتا تھا کہ ڈاکٹر شہید حالات سے ہمیشہ ایک چیتے کی مانند لڑتے رہیں گے اور پھر وہ منزل آئے گی جس کی اپنی بساط کے مطابق تخلیاتی تصویر بنائی تھی Sacrifications, قربانی، کبھی ضائع نہیں ہوتیں وہ اور بات ہے قربان ہونے والا اس ظاہری زندگی میں رہے یا نہ رہے لیکن اپنے پیچھے ایسے نقوش چھوڑ جاتا ہے جس سے قوم کی روح میں ایک نئی نہ مٹنے والی تڑپ جاری رہتی ہے۔ ڈاکٹر شہید محمد علی اپنے گہرے نقوش چھوڑ کے گئے ہیں

یہ اس دن کی بات ہے جب جیکب آباد میری پوسٹنگ تھی کہ صبح آفس میں بیٹھے ہوئے ایک عزیز ہ کا فون آیا کہ ڈاکٹر صاحب کو گولیاں مار کر شہید کر دیا ہے فوراً گھر آیا بتایا کہ ڈاکٹر صاحب پر حملہ ہوا ہے اور جانا ضروری ہے اہلیہ سمجھ گئیں اور آہ و بکا کرنے کی بجائے صبر و تحمل سے بچوں کو تیا کیا اور ہم سکھر ایئر پورٹ کے ذریعے لاہور پہنچ گئے ڈاکٹر صاحب کے جسد مبارک کو دیکھتے ہی میرے منہ سے بے ساختہ الفاظ نکلے کہ ڈاکٹر صاحب نے یقیناً آخری لمحات میں اپنے جد کی سنت پہ عمل کرتے ہوئے کہا ہوگا کہ،، میں کامیاب ہو گیا،،

ڈاکٹر صاحب نے اصلاً شعوری طور پر شہادت کو گلے لگایا اس کا ثبوت اپنی شہادت سے تین برس قبل یکم اپریل 1992 کو بغیر کسی اگر مگر کے

وصیت لکھ کر اپنی شہادت کی خبر دی اور پھر اس دن کا انتظار کیا اور پھر 7 مارچ 1995 میں یتیم خانہ چوک میں شہادت کو گلے لگا کر شہدائے اسلام کے عظیم قافلے میں داخل ہو گئے۔

علامہ عارف حسین الحسینی شہید اور ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید پاکستانی قوم خصوصاً مذہب حقہ کے درخشندہ ستارے ہیں جو ہمیشہ کیلئے حسینیوں کے لیے مشعل راہ بن گئے تقوی میں سرمدی کیفیت حاصل کرنے والی شخصیات شہادت کا منصب حاصل کرکے اپنی یادوں میں غرق چھوڑ کر ہمیشہ کی زندگی میں داخل ہو گئے۔

جو ناطق قرآن نے دیا نوک سناں سے
پیغام وہ دنیا سے مٹنے کا نہ مٹتا ہے

جب ڈاکٹر صاحب پاکستان تشریف لائے تقریباً 25 سال مختلف انداز سے گذرے پہلے رشتہ داری پھر 1973 بلکہ باقاعدہ طور پہ 1974 سے ISO کے پلیٹ فارم کے ناطے سے قربت پھر 1980 میں محرم کی حیثیت سے ڈاکٹر شہید کی گھریلو زندگی سے آگاہی رکھنے والا ٹھہرا میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے انگلش کا طالب علم تھا ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان کی تڑپ کو دیکھ کر ساتھ چلنے کا عہد کیا۔

ان کی گفتگو اور معاملات خود منہ بولتا ثبوت تھے پھر کچھ ہی دیر بعد میں ایک بہترین ادارے کے ساتھ منسلک ہو گیا جب بھی موقع ملتا میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مختلف جگہوں پر جانے میں خوشی محسوس کرتا۔ اگر چہ نفس کیلئے بھاری ہوتا لیکن روحانی طور پر سرور حاصل کرتا

قسم قسم کے کھانے نہ آرام دہ گاڑی کا اندرونی ماحول مگر پردرد کہانیاں اور ان کیلئے in Hand Resourses سے حل تلاش کرنا اور مسائل کی گتھیاں سلجھانا۔ راستے میں تنگ گلیوں سے ہوتے ہوئے کسی بیمار کی بیمار پرسی یا پھر کسی خاندان پر بیتی ہوئی دردناک داستان کی منظر کشی یہ سب کیا ہے۔۔ یہ ہے جو اس دنیا کو عارضی سمجھے ورنہ دنیا کی آلائشوں میں آلودہ ہو کر سمجھ بیٹھنا اور میں میں میں صرف۔۔۔ میں کیا۔ گندگی اٹھا کر پھرنے والا شخص دنیا کو دل میں بسانے والا شخص فرشتوں انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کی نظر میں ذلیل اور کمینے کی شکل میں شخص موت سے خوف زدہ جرات وہمت وشجاعت جوانمردی سے عاری شخص کسی بات میں، میں میں اور میں کرے

پہلے میں ڈاکٹر صاحب کو یاد کر کے کڑھتا اور روتا تھا لیکن جب تھوڑی سی معرفت ہوئی تو آج تک رشک کرتا ہوں کہ کمال پر پہنچ کر ڈاکٹر صاحب نے اپنا نام شہدائے اسلام میں ثبت کرا لیا

کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ڈاکٹر صاحب ایم بی بی ایس مکمل کرنے کے بعد پوسٹ گریجویشن کرنے کے بعد College of Physeians and Surgeons of Pakistan in Anesthesiolgy سے کی انہوں نے cunsaltant anesthetiist کے طور پر سروسز ہسپتال خدمات انجام دیں بعد میں Semise Registrar of Anesthesia Department کے طور پر شیخ زاید ہسپتال میں خدمت انجام دیتے ہوئے شہادت کی سعادت حاصل کی ڈاکٹر صاحب کا دنیا سے محبت نہ کر کے عملی طور پر مراعات کے لحاظ سے ایک عام شخص جیسی زندگی گزارنا دلیل ہے ان کی عظمتوں کی رفعتوں اور ان کی بلندیوں کی یہ تقوی اور اخلاص کا پیکر علامہ عارف شہید اور امام خمینیؒ رضوان اللہ علیہ کی ذات میں ضم ہو چکا تھا وہ شخص جو پڑھائی کے کٹھن مراحل سے معاشرے کے بہترین پیشے سے منسلک ہو آپ ایسی شخصیت کو دفتر میں جھاڑو دینے اور قربانی کی

محافل جمع کرنے اور آئی ایس او کے تنظیمی پروگراموں میں برتن صاف کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور وہ اس کام سے اپنے آپ کو چھوٹا محسوس نہ کرے اور دوسری جانب جب بھی مقتدر شخصیات کا سامنا ہوتا تو دلیل و براہین سے اپنا گرویدہ بناتے ہوئے دیکھتے بھلا کتنی شخصیات ایسی صلاحتوں کی مالک ہیں

ڈاکٹر صاحب کا کمال انداز تھا گھر کے ماحول میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کتنے فعال قومی ہیرو ہیں لوگوں کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرنے کے ماہر بات مکمل سننے کے عادی پھر دلائل سے اعتراف یا اعتراضات کو سامنے رکھتے۔ خود پسندی نام کی نہیں للھیت سے بھرپور ظاہراً رکھ رکھاؤ یا پھر فضول تصنع بناوٹ میں وقت ضائع نہ کرتے

میں نے ابتدا میں جو عرت اپنے دل میں بٹھائی ان کی زندگی میں 15 سال تک بہنوئی ہونے کے ناطے انہوں نے اسی کو ٹھیس نہیں لگنے دی اختلافات کو اس انداز سے حل فرماتے کہ نہ ماننے کا تصور ہی محو کر دیتے

یہ جو بات تحریر کر رہا ہوں مجھے خود یقین نہیں آتا لیکن کیا کروں حقیقت ہے جیتک مجھے کوئی ایسا مرحلہ یاد نہ آجائے کہ یہ بات رد ہو جائے خدا نہ کرے ایسا ہو میں نے خاندان کی ایک محفل میں جب شہید کے فرزند تایازاد پھوپھی زاد بھائی بچپن کے ساتھی موجود تھے یہ دعوی کیا کہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ 25 سال سے رابطہ تھا۔ خصوصاً 15 سال ان کی زندگی میں بہنوئی کی صورت میں مجھے نہیں یاد کہ کسی بھی مرحلے میں نجی محفل ہو یا قومیات کی بیٹھک میرے دل میں ان کے بارے میں کدورت پھر دہراتا ہوں کہ کدورت بھی آئی ہو جب ڈاکٹر صاحب کی ایک بہن نے مجھ سے سوال کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے تو میرا جواب تھا کہ میں نے ابتدا ہی سے ان کی عظمت کو بٹھالیا تھا اور پھر ان کا کمال تھا کہ اس کو سچ کر دکھلایا۔

لکھنے کو تو بہت سے واقعات ہیں لیکن تسلیم رضا خان صاحب نے خصوصاً سفیر انقلاب میں ڈاکٹر شہید کی شخصیت کا عکس عمدہ انداز سے پیش کر کے ہمیں بھرپور دعاوں کیلئے مقروض بنالیا ہے

1974 میں ہی میں نے ڈاکٹر صاحب شہید کے ساتھ زرعی یونیورسٹی اسوقت کے لائلپور اور ملتان شاہ گردیز سفر کیا ڈاکٹر صاحب کی شخصیت مردم شناس تھی مجھے ایسے انداز سے رکھا کہ میرے دل میں ان کی شخصیت جذب ہوگئی۔

ڈاکٹر صاحب کے فرمانے پر زرعی یونیورسٹی ہال میں مجھے گفتگو کرنے کی دعوت ملی۔ جب میں Rostram سے نیچے اترا تو فرماتے ہیں عارف صاحب آپ نے تو مجلس پڑھ دی ہے میں نے عرض کی ڈاکٹر صاحب اور تو مجھے کچھ آتا نہیں لیکن انہوں نے اس تربیتی مرحلے میں مجھے شاباش دی۔ کیونکہ جس ہدف کو لے کر چلے تھے میں اس کو ابھی درک نہیں کر پایا تھا۔

ابھی تو آئی ایس او کے ابتدائی مراحل تھے جو Vision ڈاکٹر صاحب لے کے نکلے تھے میرے جیسے اس کے نزدیک بھی نہیں تھے اسی دوران غالباً ریٹی گن روڈ پر خستہ عمارت کے ایک خستہ حال کمرے میں ڈاکٹر صاحب نے اجلاس رکھا جس میں دوسرے شہروں کے نمائندے بھی تھے مولانا قبلہ مرتضی حسین صدر الافاضل صدارت فرما رہے تھے ڈاکٹر صاحب نے خستہ حال کمرے کا نقشہ تبدیل کر دیا اور ایک باقاعدہ اجلاس کا نقشہ دے دیا

ہر ایک نمائندے کے سامنے Tags بنے رکھے تھے جو اپنے اپنے شہروں کی نشاندہی کر رہے تھے

مولانا صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے اس Visionary عمل پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آئی کی Activities کو نظر رکھنے والے عناصر دیکھ رہے ہوں تو اس سلامتی کونسل کی طرح کی میٹنگ کو کسی نظر سے سوچیں گے

حدیث نبوی ہے

لیس للمومن راحۃ دون لقا اللہ

لقائے ربانی کے علاوہ مومنین کیلئے کہیں بھی راحت کا سرو سامان نہیں بیٹی نے Opinion book پر for Wish کا استفسار کیا تو لقاء اللہ لکھ کر شہادت کا مژدہ سنایا شہادت سے کچھ دن پہلے میانوالی Station تعینات تھا گھر میں تشریف لائے میں نے ڈاکٹر شہید کی مووی بنائی، ساڑھے اکیس منٹ کی جس میں نمایاں طور پر فرماتے ہیں Doing اور Saying میں فرق نہیں ہونا چاہیے

اگر ظاہر و باطن ایک نہ ہوں تو ہم منافقت کے کسی نہ کسی درجے پر کھڑے ہوں گے آپ اس بات کی تلقین فرماتے کہ اگر Ideal حالات کی تلاش

میں رہیں گے تو آپ کے Plans Postpones ہوتے رہیں گے جیسے تیسے اپنے مشن میں رواں دواں رہیں

ڈاکٹر شہید ہمیشہ رکاوٹوں کو پھلانگتے ہوئے ہر شئے کو راہ خدا میں قربان کرنے کے جذبے سے مسلسل جدوجہد کرتے نظر آتے اور اصلاً شعوری طور پر شہادت کو گلے لگایا

دنیا کی نعمتوں کو لے کر کیا کروں گا مولیٰ
آپ خالی ہاتھ رکھ دیں میرے خالی ہاتھ پر

اس شعر کے مصداق علامہ عارف شہید اور ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کو میں نے واضح طور پر دیکھا۔

میری نظر میں ڈاکٹر شہید مندرجہ ذیل واقعے کے نوجوان کی مانند ہیں جس کو میں اکثر محافل میں ذکر کر چکا ہوں ۔۔۔

اصول کافی میں ہے کہ ایک دن نماز کے بعد رسول خدا ﷺ کی نگاہ ایک ایسے نحیف و نزار نوجوان پر پڑی جس کا رنگ اڑا ہوا ہے آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں اسے توازن برقرار رکھنا بھی مشکل تھا۔ پیغمبر ﷺ خدا نے استفسار کیا کہ کیا حال ہے اس نے کہا کہ میں یقین کی حالت میں ہوں

فرمایا۔ تمہارے یقین کی علامت کیا ہے

عرض کیا یا رسول اللہ یہ میرا یقین ہی ہے جس نے مجھے غم دیا ہے جو مجھے راتوں کو جگاتا ہے (شب بیداری) اور دن میں بھوکا پیاسا رکھتا ہے یعنی روزہ کی وجہ سے اس نے مجھے دنیا و مافیہا سے بیگانہ بنا دیا ہے یہاں تک کہ میں دیکھتا ہوں گویا کہ پروردگار کا عرش لوگوں کے حساب و کتاب کیلئے نصب ہے حشر کے میدان میں لوگ جمع ہیں میں بھی انہیں میں شامل ہوں یوں سمجھئے گویا میں جنتیوں کو جنت میں عیش و آرام میں اور دوزخیوں کو جہنم کے عذاب میں دیکھ رہا ہوں

اس وقت بھی گویا میں اپنے کانوں سے آتش جہنم کی لپٹوں کی آواز سن رہا ہوں

رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہ شخص وہ ہے کہ جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے نور ایمان سے منور کر دیا ہے پھر اس نوجوان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا اپنی اس حالت کو سنبھالو ایسا نہ ہو کہ یہ سلب ہو جائے

نوجوان نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ مجھے شہادت نصیب ہو جائے زیادہ مدت نہیں گزری تھی

کہ ایک غزوہ پیش آگیا۔ اس نوجوان نے اس میں شرکت کی اور شہید ہو گیا

روز حساب سب کا سفر ہو گا مختلف
دوزخ میں دفن ہوں گے کئی سنگ و خشت میں
لیکن حسینؑ ہم تیرے نوکر بعد فروش
جائیں گے کربلا سے گزر کر بہشت میں

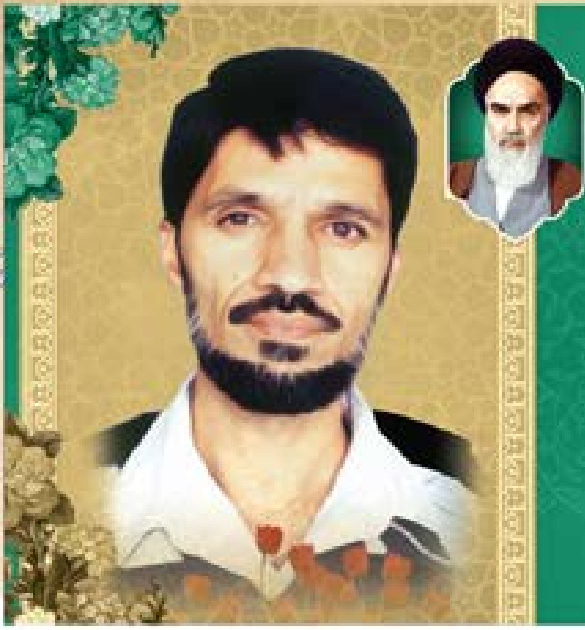

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی اور فلاحی خدمات

سید نثار علی ترمذی

روحانی فلاح و مادی فلاح شہید نے ہر دو حوالے سے خدمات انجام دیں ہیں. آپ بنیادی طور پر ڈاکٹر تھے تو خدمات کا ایک دائرہ اس نسبت سے سامنے آتا ہے. آپ ہر جگہ جہاں ایک تنظیمی رہنما تھے وہاں ایک مسیحا بھی تھے. آپ جہاں جاتے تو لوگ آپ کے اس ہنر سے بھی خوب استفادہ کرتے. یہ فیض ملک اور بیرون ملک میں بھی پھیلا ہوا ہے. یہ سہولت فون پر بھی میسر تھی. احباب اپنے مریض کو کسی ڈاکٹر کو دکھانے سے قبل یا اپریشن کروانے سے قبل آپ سے مشورہ کرنا ضروری خیال کرتے. اپنائیت کی وجہ سے ہفتہ کے سات دن اور دن کے چوبیس گھنٹے رابطہ کرتے رہتے تھے. آپ کے توسط سے معالج کا تعین دوائی کا انتخاب وغیرہ بھی شامل ہیں. لاہور میں آپ کی موجودگی براہ راست علاج کے لیے بالمشافہ ملاقات تنظیمی دفتر کے ساتھ ساتھ، کلینک، ہسپتال غرضیکہ ہر جگہ مسیحائی جاری تھی. آپ کی تشخیص بہت اعلیٰ تھی اور اس کی شہرت دور دور تک تھی. لوگ دیگر ڈاکٹرز کے علاج سے اس وقت تک مطمئن نہ ہوتے جب تک شہید سے تصدیق نہ کروالیتے. آپ کی کلینک پر بیشتر مریض نسخہ لکھوا کر وا جبی سی فیس جو کہ پہلے تیس روپے تھی بعد میں پچاس تھی ادا کرتے تھے وہ بھی کم وصول کی جاتی. ایسا کئی مرتبہ ہوا کہ آپ ماتمی جلوس میں گئے تو وہاں شدید زخمیوں کی مرہم پٹی کر دی. حالات کے مطابق گھروں میں جا کر بھی مریض دیکھتے تھے. بعض نے بتایا کہ شہید کئی کئی سال متواتر ان کے مریض کو دیکھنے گھر آتے رہے. یہ بلاتخصیص مذہب وملت فلاحی کام جاری تھا. جب امداد فاؤنڈیشن بنائی تو اس کا ایک ہدف صحت کا میدان بھی تھا. اس کے لیے جنرل (ر) سہیل عباس جعفری سابقہ چیئرمین کی خدمات حاصل کیں تھیں. جعفری صاحب کے ساتھ لاہور کے بڑے فلاحی اداروں کا وزٹ کیا. صحت کے حوالے سے پہلا تصور فری ڈسپنسری کا آتا ہے. مگر اس حوالے سے جب شہید سے تذکرہ کیا تو انہوں نے اسے رد کیا کہ یہ آسان طریقہ ہے کہ پہلے انتظار کریں کہ کوئی پہلے بیمار ہو پھر ہم اس کا علاج کریں. اس سے زیادہ بہتر اور پائیدار طریقہ ہے یہ کہ لوگوں کو ان طریقوں کی طرف متوجہ کیا جائے کہ وہ کم سے کم بیمار ہوں. انہوں نے مثال دی کہ اگر ہیپاٹائٹس کی ویکسین لگوا دی جائے تو وہ اس علاج سے بہت سستا ہے جو اس مرض کے علاج پر خرچ آتا ہے. مجھے یاد نہیں پڑتا کہ آپ نے کوئی فری ڈسپنسری بنائی ہو. جماعت اسلامی کے ایک سکالر ڈپٹی ڈائریکٹر ریسرچ ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور جناب ڈاکٹر پروفیسر ظفر حجازی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ان کا سسرال برطامی روڈ لاہور پر ہے اور ڈاکٹر صاحب کے

عزیزوں کا گھران کے سسرال کے سامنے ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہر ہفتہ انہیں ملنے آیا کرتے تھے۔ ان کا جوان سال سالا ایف ایس ای میں پڑھ رہا تھا کہ شدید بیمار ہوگیا۔ جوں جوں علاج ہوتا گیا وہ کمزور سے کمزور ہوتا گیا۔ ایک دن وہ اپنے صحن میں کھڑا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی نظر اس پر پڑ گئی۔ آپ نے آواز دے کر پوچھا کہ اے جوان تم بیمار لگ رہے ہو۔ اس نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے کہا کہ کیا میں اندر آ کر تمہیں چیک کر سکتا ہوں۔ تو اس نے آمادگی کا اظہار کیا۔ یوں ڈاکٹر صاحب نے اس کا علاج شروع کر دیا، جو شہادت تک جاری رہا۔ آپ ریگولر اسے دیکھنے آتے۔ حجازی صاحب کہتے ہیں مریض تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں یہ واحد ڈاکٹر ہے جو خود چل کر مریض تک آیا۔ شہادت پر یہ ایک وفد کی صورت میں تعزیت کے لیے آئے۔ سال گزشتہ شہید کی برسی کے موقع پر حجازی صاحب نے پیغام بھی ریکارڈ کروایا جو نشر بھی ہوا۔

اختلاف کے باوجود شہید امامیہ آرگنائزیشن کے ذیلی ادارے امامیہ میڈیکل کونسل سے وابستہ تھے بلکہ فعال رکن تھے میٹنگز میں جاتے، میڈیکل کیمپس میں شرکت کرتے تھے۔ جب تحریک نے شعبہ جاتی تنظیمیں بنائیں تو ڈاکٹرز کی تنظیم بنانے کی تجویز تھی۔ مگر شہید نے ہمیشہ اسے رد کیا اور کہتے تھے امامیہ میڈیکل کونسل کی موجودگی میں کسی اور ادارے کی ضرورت نہیں۔ لاہور میں دو افراد نے دو ہسپتال کی بلڈنگز بنائیں۔ ایک منشی ہسپتال بند روڈ پر دوسرا ثریا عظیم ہسپتال چوبرجی۔ انہوں نے اسے چلانے کے لیے مختلف شخصیات سے رابطہ کیا جن میں شہید بھی تھے۔ آپ نے دونوں ہسپتالوں کی فیزیبلٹی چیک کی مگر اپنا نہ سکے۔ ہو سکتا ہے وسائل کی کمی وجہ بنی ہو۔ بعد میں اول الذکر حکومت پنجاب نے لے لیا اور دوسرا جماعت اسلامی نے حاصل کیا۔ آپ نے فاطمید فاونڈیشن کی برانچ لاہور میں قائم کرنے میں مکمل تعاون کیا۔ اسی طرح زینبیہ فری ہسپتال ملتان روڈ لاہور کا آغاز آپ کے دم قدم سے ہوا اور اسے فنکشنل کیا۔

شہید کالا باغ کے قریب افغان مہاجرین کیمپ میں ہلال احمر کی طرف سے قائم ہسپتال میں کام کرتے تھے۔ اس دوران آپ کی لاہور سے مستقل غیر حاضری بہت سے معاملات میں سست روی کا باعث بن رہی تھی دوسرے ہر ہفتہ آنا جانا پریشانی کا باعث بن رہا تھا۔ ایک مرتبہ شدید حادثہ پیش آیا گاڑی الٹ گئی اور آپ زخمی بھی ہوئے۔ جب بہت ہی اصرار بڑھا تو مجھے کہنے لگے کہ میں تو روزگار کی وجہ سے وہاں ملازمت کرنے پر مجبور ہوں۔ اگر اتنی تنخواہ پر لاہور میں ملازمت مل جائے تو میں لاہور آنے کو تیار ہوں۔ ان دنوں ارشاد علی شاہ صاحب مرحوم بانی زینبیہ کمپلیکس سے اچھی یاد اللہ تھی اسے قائل کیا تو وہ شہید کو ہسپتال میں ملازمت دینے پر تیار ہو گیا۔ شہید وہاں چھ ہزار ماہانہ تنخواہ لے رہے تھے تو ہم نے اسے قائل کیا کہ وہ سات ہزار روپے تنخواہ دے گا۔ جب شہید سے ملاقات کی تو شاہ صاحب نے تنخواہ کے بارے میں کہا تو جواب میں شہید نے کہا کیوں کہ یہ ٹرسٹ کا ہسپتال ہے اس لیے وہ چھ ہزار ہی تنخواہ لیں گے۔ جب ملاقات کے بعد باہر نکلے تو ہم نے شہید سے ناراضگی کا اظہار کیا کہ اسے مشکل سے زیادہ تنخواہ پر قائل کیا مگر آپ نے کمی کیوں کی۔ تو وہ کہنے لگے میرا گزارہ اسی تنخواہ میں ہو جاتا ہے میں کیوں زیادہ تنخواہ لوں۔

ڈاکٹر شہید پیشہ کے لحاظ سے طب سے وابستہ تھے ان ایک پہچان تنظیمی، تحریکی، مجاہد اور مبارز کی ہے لیکن ایک مشن جو انہوں نے اپنے لیے چنا وہ ہے ملت کے لیے تعلیم کے میدان میں خدمات انجام دینا تھا۔ آپ نے جو تنظیم بنائی وہ تعلیم سے وابستہ لوگوں پر مشتمل تھا یعنی طلبہ۔ اس تنظیم کی ابتدائی سرگرمیاں دیکھیں تو تعلیم ہی محور تھا۔ پہلی عبوری کابینہ میں ایک عہدہ سیکریٹری لائبریری تھا جسے بعد میں بدل کر سیکریٹری تعلیم کر دیا گیا۔ اس دور میں ہر یونٹ میں لائبریری کا ہونا ضروری تھا مستحق طلبہ کے بک بنک اور سکالرشپ، کوچنگ سنٹر کا قیام شامل تھا کوچنگ سنٹر میں سینیئر طلبہ جونیئر طلبہ کو پڑھاتے تھے مختلف مضامین کے نوٹس کا تبادلہ کیا جاتا۔ اس دور میں آئی ایس او کی پہچان اس کے اراکین کا اعلیٰ تعلیمی معیار تھا۔ شہید خود مختلف دروس میں کہا کرتے تھے کہ تعلیم کو ترجیح حاصل ہونی چاہیے۔ اگر کوئی تعلیم

میں پیچھے رہ جاتا ہے وہ دراصل اپنا اپنے والدین کا، تنظیم کا سب کا نقصان کرتا ہے۔ آپ نے 1986 میں اسلامک ایجوکیشنل کونسل بطور این جی او رجسٹر کروائی اس کے زیر اہتمام لاہور میں المصطفیٰ ماڈل سکول کا آغاز کیا۔ اس سکول کی متواتر سرپرستی کرتے رہے۔ اس سے حاصل ہونے والے نتائج سے آپ نے براہ راست سکول قائم کرنے کے بجائے خواہش مند افراد کی معاونت کی کہ وہ اپنے علاقوں میں سکولز قائم کریں۔ اس طرح کوئی چالیس کے قریب سکولز قائم ہوئے۔ کالا باغ میں ملازمت کے دوران ماڑی انڈس میں "انڈس ماڈل سکول" قائم کیا جو الحمد اللہ اب کالج بن گیا ہے، یہ علاقہ میں ایک بہترین تعلیمی ادارہ ہے۔ اس ادارے نے اپنی ویب سائیٹ پہ بانی ڈاکٹر شہید کا نام اور تصویر لگائی ہوئی ہے۔ آخری برسوں میں جب امداد فاؤنڈیشن قائم کی تو اس کا مرکزی نکتہ تعلیم تھا، جسے خود شہید دیکھ رہے تھے۔ کئی دوستوں کو آپ نے اس میں شامل کیا۔ بہت سے پراجیکٹس زیر غور تھے، کچھ لانچنگ کے قریب تھے۔ جس جگہ لاہور میں اب قومی مرکز ہے یہاں ایک پرانی کوٹھی تھی جسے شہید نے شیخ برادری سے حاصل کرلیا تھا اور اس کی ضروری تزئین و آرائش کروائی تھی۔ یہاں ایک اعلیٰ سطح کی اکیڈمی قائم کرنے کا پروگرام تھا۔ اشتہار چھپ چکے تھے اور پندرہ مارچ 1995ء کو آغاز ہونا تھا مگر آپ سات مارچ 1995ء کو شہید کر دیے گئے۔ امداد فاؤنڈیشن کے تین حصے تھے۔

(1) تعلیم: یہ براہ راست شہید کے زیر نگرانی تھا۔

(2) صحت: اے جنرل (ر) سہیل عباس جعفری دیکھ رہے تھے۔

(3) ملی ادارے: یہ ذمہ داری با کمال شفقت شہید نے بندہ ناچیز کے سپرد کی تھی۔

ملی اداروں میں بلا تفریق نظریہ و گروپ جو بھی ملت کی جس انداز میں خدمت کر رہا ہے اسے سپورٹ کیا جائے۔

اس میں سب سے پہلے ہفت روزہ رضا کار کے حوالے کام شروع کیا۔ جب ان سے دریافت کیا کہ ان کے کیا مسائل ہیں جو رضا کار کی ترویج و ترقی میں رکاوٹ ہیں، تو انہوں نے کہا کہ ان کی تنخواہیں بہت کم ہیں، دفتر میں ریکارڈ رکھنے کی جگہ کم ہے۔ اس حل کے طور پہ فی الفور سب کی تنخواہیں دگنی کر دی گئیں اس شرط کے ساتھ کہ رضا کار کی ممبر شپ دگنی کریں گے۔ اس کے علاوہ ان کے دفتر میں لکڑی کا کام کروا کر ریکارڈ رکھنے جگہ میں اضافہ کیا گیا۔ رضا کار کے ریکارڈ کو جلد کروا دیا گیا۔ اسی دوران ایک دن شہید غصہ میں میری ٹیبل کے قریب آ کر کہا "دیکھا! انہوں نے کیا کیا"۔ میں نے حیرانگی سے پوچھا کہ کس نے کیا اور کیا کیا۔ فرمایا "رات رضا کار کے افراد کی میٹنگ ہوئی اور اس میں کہا گیا کہ ڈاکٹر کے پاس اب کوئی کام نہیں رہا، اب یہ اداروں پر قبضہ کرنے چلے ہیں" اس پہ ظاہر ہے دکھ اور افسوس کے کیا کہا جا سکتا تھا۔ جعفریہ ویلفیئر فنڈ، جو نظام مالیات کا نظام سید اعجاز علی شاہ مرحوم کے جذبے سے چل رہا تھا۔ ان کے نمائندگان اضلاع سے ہر ماہ کی ایک تاریخ کو لاہور آتے تھے، حساب دینے، تنخواہ لینے اور کارگزاری سنانے۔ ان اس وقت کو استعمال کرنے کے لیے ان کی تربیت کا انتظام کیا گیا۔ ان کے لیے اسٹیٹ لائف انشورنس کے نمائندگان کی طرز پہ مختلف لیکچرز کا بندوبست کیا گیا۔ پاک پولی ٹیکنیک کالج سے تعاون کیا گیا، سات لاکھ کا چیک دیا گیا جو بندہ ناچیز ڈاکٹر جعفر مرحوم کو دے کر آیا، نیز معروف مجیر حسین نقوی کو اس ٹرسٹ کا رکن بنوایا، جس نے پچاس لاکھ ڈونیشن اور اتنی ہی رقم بطور قرض اس ادارے کو دی۔ اس ادارے نے یادگار کے طور پہ اپنے ایک ہال کو شہید کے نام سے منسوب کیا ہے۔

اسلامک ایمپلائز ویلفیئر آرگنائزیشن کا ایک تربیتی کیمپ مدرسہ مظہر الایمان ڈھڈیال چکوال میں منعقد ہوا شہید نے مہربانی فرمائی کہ اس میں شریک ہوئے۔ مدرسہ کا نظم و نسق اور تزئین دیکھ کر شہید بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ان سے پوچھیں کہ کسی چیز کی ضرورت ہے۔ میں نے مولانا محی الدین کاظم صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا یہاں بجلی کا بہت مسئلہ ہے اس کے لیے ایک بڑا جنریٹر درکار ہے جو چالیس ہزار روپے کا آتا ہے۔ شہید نے مجھے کہا کہ آپ نے لاہور جا کر فوراً یہ چیک بھجوانا ہے۔ لاہور جا

کر اور مصروفیت کی وجہ سے چیک فوراً نہ بجھوا سکا. تیسرے دن شہید نے پوچھا کہ چیک بجھوا دیا ہے؟ تو نہ بجھوانے پر سخت ناراض ہوئے اور کہا تم نکمے ہو اتنا کام بھی نہیں کر سکے. معذرت کی اور فوراً چیک بجھوا دیا. انہوں نے بھی اپنے ایک ہال کو شہید کے نام سے منسوب کیا ہے.

لاہور کی پانچ بڑی لائبریریز کا جائزہ لیا گیا کہ ان میں شیعہ نمائندہ کتب نہیں ہیں. اس کے لیے ضروری دستیاب کتب کی ایک فہرست تیار کی گئی یہ فہرست ان لائبریریز کو بجھوائیں. جواب میں انہوں نے بتایا کہ یہ کتب ان کے پاس موجود نہیں ہیں. تجربے کے لیے ایک ہزار روپے کی پچیس کتب پنجاب پبلک لائبریری کو عطیہ کی گئیں. انہوں نے شکریہ کا خط لکھا اور بعد ازاں چیک کیا گیا تو یہ کتب کیٹلاگ میں شامل ہو گئی ہیں. بعد اس پروجیکٹ کے حوالے سے یہ طے ہوا کہ بارہ ہزار روپے کا ایک سیٹ ہر لائبریری کو دیا جائے. اس کی ایک مفصل رپورٹ تیار کر کے علامہ ساجد علی نقوی کو پیش کی گئی مگر تاحال اس پر عملدرآمد نہ ہو ندامت کا ایک پہلو اور ہے.

ملک بھر سے بالعموم اور پنجاب سے بالخصوص جو بھی کسی کام کے سلسلہ میں لا ہور آتا تو اسے امید ہوتی کہ وہ شہید سے ملے گا تو وہ اس کے مسئلہ کا حل تلاش کر لیں گے. یہ چھوٹے مسئلہ سے لے کر بڑے گھمبیر مسائل تک محیط ہے. اس کے لیے کم ہی ایسا ہوا کہ کہ آپ نے مایوس کیا ہو. ایک دن وقفہ کے دوران دفتر سے دیو سماج آیا تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان شہید کے ساتھ محو گفتگو ہے. آپ نے مجھے دیکھتے ہی کہا لو جن کا میں ذکر کر رہا تھا وہ خود چل کر آ گئے. میں نے ہاتھ ملایا تو کہنے لگے کہ یہ قیصر عباس سیال ہیں آپ کے ضلع جھنگ سے ہیں فیصل آباد کے میڈیکل کالج میں پڑھتے ہیں ان کو ایک مسئلہ درپیش ہے اس کا حل کرنا ہے. سیال صاحب جھنگ کا سن کر کھل اٹھے. اپنی مخصوص جھنگوچی زبان میں ہم کلام ہونے لگے کہ جھنگ کے ترمذیوں سے آپ کا کیا تعلق ہے؟ جب میں نے ان سے اپنی عزیز داری بتائی تو لگے ان کے قصے سنانے. سیال صاحب نے اپنا بتایا کہ دوران امتحان ہنگامہ ہوگیا اور سزا کے طور پر حکومت نے دو سال کے لیے پابندی

لگا دی ہے وہ اس ضمن میں اپیل کرنے آئے ہیں سفارش کی تلاش میں ہیں. ڈاکٹر شہید نے سیال صاحب کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا کہ تم نے ضرور ہنگاموں میں حصہ لیا ہوگا تبھی تو سزا ہوئی ہے. سیال صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا کہ میں نے فقط تالیاں بجائیں تھیں سزا زیادہ ملی. اس پر خوب قہقہہ لگا. میں مسئلہ کی نوعیت کے مطابق مشورہ دیا کہ یہ فقط دفتری طریقہ کار سے مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ کسی سیاسی حکومتی سطح کی سفارش کی ضرورت ہے. شہید نے فرمایا کہ انہوں نے اس کے لیے حیدر علی مرزا سے رابطہ کیا ہے وہ آنے ہی والے ہوں گے. یوں ڈاکٹر قیصر عباس سیال شہید کا مرزا صاحب سے رابطہ ہوگیا و شہید سیال کا اتنا گرویدہ ہوگیا کہ وہ اس کے قریبی لوگوں میں شمار ہونے لگے. شہید سیال کے توسط سے نا جانے کتنے لوگوں کے بگڑے ہوئے کام سنورے. اسی طرح کراچی سے اسلامک امپلائز کے ایک عہدیدار لاہور آئے کہ ان کی ملازمت کا مسئلہ ہوگیا ہے. اگر ڈاکٹر صاحب اسے مل کر سفارش کر دیں تو اس کا کام ہو جائے گا. میں نے یہ ذکر شہید سے کیا تو فوراً آمادہ ہو گئے اور کہا کہ وہ کل دو بجے آ جائے تو میں اس کے ساتھ چلا جاؤں گا. اگلے دن شام کو شہید نے بتایا کہ تمہارے کہنے پر میں جا کر ریلوے کے آفیسر کو کہہ آیا تھا مگر وہ میرا تو واقف نہیں تھا. شہید نے اپنے تئیں ایک ضرورت مند کی داد رسی تو کر دی، بہرحال اس کا کام ہوگیا.

شہید رح کے فلاحی کاموں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے. بہت سے افراد نے آپ سے درس لیتے ہوئے اور آپ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں. جس کی ایک مثال محمد علی ویلفیئر ایسوسی ایشن MAWA کی ہے. جو اب محتاج تعارف نہیں ہے. یہ فلاحی آرگنائزیشن مختلف شعبہ جات میں ملکی سطح پہ بہترین امور سرانجام دے رہی ہے. شہید رح کا وجود باعث خیر تھا تو آپ کی یادیں بھی خیر و نیکی کے کاموں میں تحرک کا سبب ہیں.

رفیق محبوب

آنکھوں سے دُور جا کے بھی دل سے نہ جا سکا

برادر سید ثاقب اکبر نقوی

کے قلم سے شہید سے یادگار ملاقاتوں کا احوال

بیس سال مزید درکار ہیں

جب ہم نے ایک وسیع تر پلیٹ فارم اور حکمت عملی کی تشکیل پر بات شروع کی تو ایران میں اور پاکستان میں بھی نشستیں ہوئیں۔ دلائل سے قائل ہو جاتے تھے اور یہی ایک صاف دل انسان کی خوبی ہے کہ وہ جب دلیل کو درست اور قوی پاتا ہے تو اسے تسلیم کر لیتا ہے لیکن پھر ایک روز کہنے لگے کہ اس پروگرام کو نتیجہ خیز کرنے کے لیے بیس سال مزید درکار ہوں گے۔

یہ رفیق فقید روح سعید برادر عزیز ڈاکٹر محمد علی شہید کی بات ہو رہی ہے۔ انھوں نے سچ کہا تھا۔ "بیس سال" بالکل درست، اس لیے کہ جب میں نے پلٹ کر ماضی میں جھانکا تو بیس سال گزر چکے تھے۔ شاید ہم 1974 میں ملے تھے۔

ملک فیض بخش سے ملاقات

1974 میں جب رجب المرجب کا مہینہ آیا تو بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ کے جوار میں واقع علی پارک میں یوم علیؑ کی مناسبت سے جلسوں کا سلسلہ جاری تھا۔ وہاں پہلی مرتبہ برادر فیض بخش سے ملاقات ہوئی تھی۔ ملک فیض بخش جو بعد میں مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ کے داماد ہو گئے اور حال ہی میں ان کی اہلیہ محترمہ کا لاہور میں انتقال پر ملال ہوا ہے۔ اللہ ان پر اپنی رحمت فرمائے بحق طٰہٰ و یٰسین و آل الطیبین۔ فیض بخش نے مجھ سے آئی ایس او کا ذکر کیا اور اس میں شامل ہونے کی دعوت دی اور پھر جلد ہی ڈاکٹر محمد علی شہید سے ملاقات ہو گئی۔

برادر شہید سے پہلی ملاقات

یہ ملاقات آئی ایس او کے دفتر میں ہوئی جو اس وقت دربار داتا صاحب کے عقب میں ریٹی گن روڈ پر ہوتا تھا۔ وہاں "انجمن وظیفہ سادات و مومنین" کی ایک بلڈنگ تھی۔ اسی میں یہ دفتر واقع تھا۔ عہدے دار تو اور بھی بہت تھے لیکن اس دفتر اور تنظیم کی روح بے قرار اور ہمہ دم آمادۂ جہد و پیکار ڈاکٹر محمد علی ہی تھے۔ اپنا بنانے کا ہنر انھیں ودیعت کیا گیا تھا۔ وہ خود تو بے آرام و بے قرار رہتے ہی تھے دوسروں کے دل کو بھی دھڑکنا اور لہو گرم رکھنا سکھا دیتے تھے۔ وہ ہمیشہ بغیر کسی عہدے کے بھی سب سے اہم رہے۔ 1975 میں راقم نے ایم اے او کالج لاہور میں آئی ایس او کا یونٹ قائم کیا۔ پھر رفاقتوں اور عزیمتوں کا یہ سلسلہ شروع ہوا جو بیس سال کی بھرپور تاریخ پر مشتمل ہے۔ جب 1994 کے آخر میں قم المقدسہ میں آئندہ کی حکمت عملی کی بات ہو رہی تھی تو انہی بیس برسوں پر ان کی نظر تھی۔ بیس برس رفاقت اور مشترکہ جدوجہد کو گزر چکے تھے۔

جب طلبہ تنظیموں پر پابندی لگی

اس دوران میں آئی ایس او پھیل کر ملک گیر ہو گئی۔ جب طلبہ تنظیموں پر پابندیاں عائد کی گئیں اور مارشل لا اپنی استبدادی اور جبروتی شکل

میں ہر طرف جیٹھے گاڑے جا رہا تھا، جب رسم چل پڑی تھی کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے تو ایسے میں ڈاکٹر محمد علی نقوی آئی ایس او کے صدر تھے۔ آئی ایس او کی توسیع کا مرحلہ تو تھا ہی مشکل جہاں جہاں موجود تھی وہاں اسے باقی رکھنا اور تنظیم کے نام سے کام کرنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ اس کے لیے ہم نے مشورے کیے اور متبادل راستے تلاش کیے۔ ساتھیوں سے کہا گیا کہ وہ امامیہ لائبریری یا امامیہ کتاب خانہ جیسے ناموں سے استفادہ کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے مختلف ڈویژنوں کے عہدے داروں اور ڈویژنل صدور سے کام جاری رکھنے کا کہا۔ مسجد جعفریہ ملتان روڈ لاہور میں مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا گیا۔ راقم اس وقت لاہور ڈویژن کا جنرل سیکرٹری تھا اور انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں زیر تعلیم تھا۔ ہُو کے عالم میں تو "آہ" بھی چیخ لگتی ہے، مارشل لاء کی چنگھاڑ کے خوف سے سب پرندے سہم کر اپنے اپنے گھونسلوں میں دبے بیٹھے تھے۔ ایسے میں آئی ایس او کو قائم رکھنا اور مختلف انداز سے اس کی سرگرمیوں کو جاری رکھنا جتنا مشکل ہو سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا اہل نظر پر چھوڑتا ہوں لیکن ایسے مشکل دور کے لیے اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر محمد علی نقوی کا انتخاب کر رکھا تھا۔

مرکزی صدارت کی ذمہ داری

بیس برس کے دوران میں طرح طرح کی اونچ نیچ سے ہم گزرتے رہے۔ 1978 میں جب مرکزی صدارت کی ذمہ داری میرے کندھے پر آئی تو یہی وہ سال تھا جب آئی ایس او ملک گیر ہو گئی۔ کوئٹہ، ڈیرہ اسماعیل خان، سکھر، حیدر آباد اور کراچی جیسے ڈویژنز میں آئی ایس او کی داغ بیل ڈالی گئی۔

ہم قاتل شاہ کا استقبال نہیں کرتے

یہی وہ سال ہے جب حضرت امام خمینی کی تحریک رفتہ رفتہ بام عروج کی طرف بڑھنے لگی۔ ادھر شاہی استبداد بھی پورے کروفر سے معرکہ آزما تھا۔ شاہ ایران کے پاکستان آنے کا اعلان ہوا تو ہم نے ایک اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا "ہم قاتل شاہ کا استقبال نہیں کرتے"۔ یہی سال امام خمینی کے بڑے فرزند آیت اللہ سید مصطفیٰ خمینی کی شہادت کا سال ہے۔ اس کے بعد امام خمینی نجف اشرف میں نہ رہ سکے اور وہاں سے ہجرت کر کے فرانس کے نواح میں ایک گاؤں میں جا پہنچے۔ ہم نے پاکستان میں شاہ کے مظالم کے خلاف اور امام خمینی کی تحریک کے حق میں مظاہرے کیے۔ ایک جلوس کربلا گامے شاہ سے نکالا گیا۔ اس خیال سے کہ پولیس اور انتظامیہ ہمیں یہاں سے آگے نہیں جانے دے گی اور ہمیں اسمبلی ہال کے سامنے تک پہنچنا ہے، ڈاکٹر محمد علی کی تجویز پر جلوس کو مختلف مرحلوں میں تقسیم کیا گیا۔ بظاہر یہ جلوس کربلا گامے شاہ میں موجود تھا لیکن کچھ افراد کو گول باغ جسے ناصر باغ بھی کہتے ہیں پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی اور کچھ سے کہا گیا تھا کہ وہ پہلے ہی سے اسمبلی ہال کے سامنے موجود ہوں۔ راقم چونکہ آئی ایس او کا صدر تھا تو یہ فیصلہ ہوا کہ میں جلوس میں کربلا گامے شاہ میں موجود رہوں گا۔ یہ وہ دن تھے کہ جب عام شیعہ بھی امام خمینی کی تحریک کی حقیقت کو نہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا ہمیں خود کربلا گامے شاہ کے اندر سے مخالفت بلکہ معرکہ آرائی کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف ڈاکٹر صاحب آہستہ آہستہ ساتھیوں کو اس جلوس سے نکل کر اسمبلی ہال پہنچنے کی ہدایت کر رہے تھے۔ پھر وہ خود بھی یہاں سے روانہ ہو گئے۔ ناصر باغ میں موجود ساتھیوں کو بھی اسمبلی ہال پہنچنے کی ہدایت کی گئی اور پولیس کربلا گامے شاہ میں جلوس کو روک کر کھڑی تھی اور لوئر مال پر نکلنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی جب کہ ایک جلوس ڈاکٹر محمد علی کی قیادت میں اسمبلی ہال کے سامنے پہنچ چکا تھا اور وہ امام خمینی کی حمایت میں اور شاہ ایران کے خلاف نعرے بلند کر رہا تھا۔ ایک پولیس آفیسر نے ڈاکٹر محمد علی سے پوچھا: آپ نے یہ جلوس کہاں سے نکالا تو انھوں نے بتایا کہ کربلا گامے شاہ سے۔ پولیس افسر نے پوچھا کہ آپ کو راستے میں کسی نے نہیں روکا؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا: روکا ہوتا تو ہم یہاں کیسے پہنچ جاتے۔

فرصت نہیں فعالیت

بیس برس کی رفاقت اور وہ بھی جو شب و روز "ادھر ڈوبے اُدھر نکلے" کی شکل میں رہی ہو اسے بیان کرنے کے لیے اور اس کی ترجیحات کو طے کرنے کے لیے بہت فرصت درکار ہے لیکن شاید ڈاکٹر صاحب اپنے قریبی رفیق سے فرصت کی نہیں فعالیت کی توقع رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یادوں اور تاریخ کا ایک خزانہ سینے میں رکھنے والے ڈاکٹر صاحب کے اس رفیق نے اس موضوع پر بہت کم لکھا ہے جب کہ زندگی کا بڑا حصہ لکھنے پڑھنے میں ہی صرف ہوا ہے۔ البتہ اس بات کا مجھے کھلے دل سے اعتراف ہے کہ اس بیس سالہ رفاقت میں جتنے بڑے بڑے معرکے سر ہوئے وہ ڈاکٹر صاحب کی مخلصانہ اور شجاعانہ ہمراہی کے بغیر ممکن نہ تھے۔

روالز آف بزنس پر نظر ثانی

ایک مرحلہ آیا جب مجھے یوں لگا کہ جن حدود کے اندر ہم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مل کر جدوجہد کر رہے ہیں ان میں اب شاید زیادہ پھیلاؤ کے امکانات کم ہو گئے ہیں۔ علاوہ ازیں لیڈر شپ کے تصور نے جو نئی شکلیں اختیار کر لی ہیں ان میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں کے لیے نئی محدودیتیں بھی ایجاد ہو گئی ہیں۔ مجھ ذہن پر یہ خیال بھی ابھرا کہ اگر میدان وسیع ہوتا اور بعض محدودیتیں نہ ہوتیں تو ہم اس ملک میں کہیں بہتر اور نتیجہ خیز جدوجہد کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کو جس درجے کی صلاحیتوں سے نوازا تھا ان کے لیے میدان کہیں فراخ درکار تھا۔ کبھی اپنے ہی بنائے ہوئے روالز آف بزنس پر نظر ثانی کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ ہم اس مرحلے سے بہت حد تک گزر چکے تھے۔

ڈاکٹر محمد علی.....گل سرسبد

جو میدان ڈاکٹر صاحب شہید نے اپنی نوجوانی سے چن لیا تھا اور جسے ان کے ساتھیوں نے ذوق وشوق سے انتخاب کر لیا تھا اس کی حدود کو سامنے رکھ کر ابھی کامیابیوں کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکا۔ طلبہ کی ملک گیر تنظیم یونیورسٹیوں اور کالجوں سے گزرتی ہوئی علاقوں اور محلوں تک جا پہنچی۔ علامہ سید عارف حسین حسینی شہید کی قیادت میں ابھرنے والی نئی تحریک اپنی عوامی مقبولیت میں اہل تشیع کی برصغیر کی ماضی کی تمام تحریکوں سے بازی لے جا چکی تھی۔ اساتذہ، وکلا، مزدوروں اور سرکاری ملازمین، ڈاکٹرز، انجینئرز اور دیگر شعبوں کی کئی ایک تنظیمیں فعال ہو چکی تھیں۔ بہت سے سکول اور تعلیمی ادارے ملک کے مختلف حصوں میں نظریاتی اور عصری تعلیم وتربیت کے مراکز کی حیثیت سے معرض وجود میں آ چکے تھے۔ علما کی ایک بڑی تعداد ایک قیادت اور ایک تنظیم کے ساتھ کھڑی ہو چکی تھی۔ عالمی مسائل میں شیعہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے فعالیت کر رہے تھے۔ پاکستان کی سیاست کے حوالے سے بھی منصوبہ بندی کی جا چکی تھی۔ اس جدوجہد کے اور بھی کئی کچے ان کہے شعبے اور پہلو ہیں۔ بہت کم وسائل اور امکانات کے ساتھ یہ جو کچھ ہو چکا تھا کام نہ تھے بلکہ کرامات تھیں جو ظہور میں آ چکی تھیں اور کرامات ایمان للہیت اور ریاضت کے بغیر ظہور میں نہیں آتیں۔ جتنے خوبصورت پھول اس چمنستان میں کھلے تھے اس کے گل سرسبد کا نام یقینی طور پر ڈاکٹر محمد علی نقوی تھا لیکن ابھی حیات کا ماحول سازگار نہیں کہ ساری سچائیاں حرفوں اور لفظوں میں پرو کر مالا کی شکل میں عروس وقت کے زیب گلو کر دی جائیں۔

لہو رنگ صبح

7 مارچ 1995 کی لہو رنگ صبح ڈاکٹر محمد علی سرخرو ہو کر جب عالم بالا کو سدھارے تو اس سے دو روز پہلے 5 مارچ کو انھوں نے اسلام آباد میں اخوت اکادمی کی بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھی اور اپنی جیب سے پیسے نکال کر ایک دوست کو دیے کہ وہ مٹھائی لے کر آئے تا کہ مل کر کام ودہن شیریں کرتے ہوئے اخوت اکادمی کا افتتاح کر سکیں۔ یہ اخوت اکادمی دراصل نئی حکمت عملی کی بنیاد کا نام تھا۔ ابھی تو اس کی کونپلیں نکلنا تھیں، ابھی تو نئی دنیا آباد کرنے کے منصوبے ڈاکٹر صاحب اور ان کے قریبی رفقا کے دل و دماغ میں تھے کہ اچانک سانحہ ہجر رونما ہو گیا۔

جب پلٹ کر دیکھا

پھر جب 2015 آیا اور میں نے پلٹ کر دیکھا تو ڈاکٹر صاحب کی جدائی کو بیس برس گزر چکے تھے۔ میں نے زیر لب ڈاکٹر صاحب کو پکارا اور کہا:

ڈاکٹر صاحب! آپ سچ کہتے تھے پورے بیس برس لگ گئے، اپنوں اور پرایوں کو نئی حکمت عملی کی اصابت اور ضرورت کے لیے قائل کرتے کرتے۔ ہر قدم پر آپ کی ضرورت کا احساس رہا اور ہر قدم پر آپ کی یاد حوصلہ بڑھاتی رہی اور ہر وقت زباں پر اس طرح کے زمزمے ابھرتے رہے کہ ڈاکٹر محمد علی ایک ایسا رفیق راہ تھا کہ جو آنکھوں سے دور جا کے بھی دل سے نہ جا سکا

دنیا بدل گئی

ڈاکٹر صاحب کی شہادت کے بعد ایک دنیا بدل گئی۔ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہ گیا۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ طرز عمل اور سطح فکر میں تبدیلی نہ آئے۔ کیسے ہو سکتا ہے نئے تقاضے پیدا نہ ہوئے ہوں۔ بس یہی وہ مرحلہ ہے جب ڈاکٹر صاحب بہت یاد آتے ہیں۔ فکر وعمل کے تازہ مرحلوں میں قوت فیصلہ اور قوت عمل میں ان جیسے افراد ہمارے ہی نہیں تاریخ کے حافظے میں بھی کم ہیں۔

آج جب میں ڈاکٹر صاحب شہید کی طرح پوتوں، پوتیوں، نواسوں

اور نواسیوں والا ہوں تب بھی لگا ہے ایسے حالات و واقعات پیش آتے ہیں کہ دل کرتا ہے کہ ماں ہوتی تو اسے سناتا۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہر شخص کو ہر دور میں اور ہر عمر میں "ماں" اسی طرح یاد آتی ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب جیسے رفیق بھی ایسے ہی ہوتے ہیں، بچھڑ جائیں تو زندگی بھر یوں یاد آتے رہتے ہیں۔ کتنی مرتبہ یوں ہوا کہ ان کے خیال یا ان کی تصویر سے بات کرلی۔ ان کی شہادت کے بعد ایک آزاد نظم بھی تھی "ابھی وہ آجائے گا کہیں سے" ڈاکٹر صاحب ایسے ہی تھے اور آج بھی ایسے ہی ہیں۔ آج بھی ان کی ضرورت کا احساس دل میں ابھرتا ہے تو بے ساختہ زبان پر آتا ہے "ابھی وہ آجائے گا کہیں سے"۔

ابھی تو آ جائے گا کہیں سے

تو چل بسا ہے
مجھے خبر ہے
مجھے خبر ہے
ستم کے سفاک وارثوں نے تجھے اتارا ہے خوں کی وادی میں

میں جانتا ہوں
تمہارے جسم نحیف پر گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی ہے
میں جانتا ہوں
سیاہ دن تھا سیہ گھڑی تھی
میں جانتا ہوں۔۔۔کہ
صبح بے نور تک رہی تھی
میں جانتا ہوں۔۔۔کہ
شہر لاہور جاگتا تھا
وہ شہر لاہور
جس میں تو نے محبتوں کے گلاب اگائے
وہ شہر لاہور
جس میں تو نے شرافتوں کے چمن کھلائے
وہ شہر لاہور
سالہا سال جس میں تو نے سویرے بانٹے
جہاں سدا تو بشیر نور بن کے نکلا
جہاں ہمیشہ ترے قدم سے بھلائیوں نے فروغ پایا
وہ شہر بے درد جاگتا تھا
کہ اپنی فصل گلاب اجڑی
کہ صبح دم آفتاب ڈوبا
لہو نہایا وہ نور چہرہ
وہ نیکیوں کا درخت ٹوٹا
میں جانتا ہوں
مجھے خبر ہے
رفیق میرے
حبیب میرے!
وفا کے ساتھی!
سدا سے راہ خدا کے ساتھی!
اے پیارے!
تو قتل ہوگیا ہے
تو کھوگیا ہے
پہ ہر گھڑی آنکھ کہہ رہی ہے!
ابھی تو آ جائے گا کہیں سے
میں جانتا ہوں
پہ دل مرا مانتا نہیں ہے
یہ کہہ رہا ہے
مرا محمد علی ہے زندہ یہیں کہیں ہے
ابھی وہ آ جائے گا کہیں سے

شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کی ہم سے توقعات و امیدیں

ڈاکٹر راشد عباس سید

شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کی شہادت کی مناسبت سے العارف کے خصوصی نمبر کے حوالے سے قم المقدسہ میں منعقدہ میٹنگ میں جب مختلف دوست احباب کے ذمہ مختلف موضوعات لگائے جا رہے تھے تو ناچیز برادر ارشاد ناصر کی تجویز پر مندرجہ بالا موضوع میرے ذمہ لگایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ معروضی حالات ،بے پناہ مصروفیات اور ذہنی انتشار کی وجہ سے کچھ لکھنے سے قاصر ہوں لیکن العارف کی ٹیم کو انکار نہیں کرسکتا تھا انہی کیفیات میں قلم اٹھایا ہے۔ اگر مطالب بے ربط ہوں تو پیشگی معذرت اس موضوع کا پہلا حصہ شہید کا وصیت نامہ ہوسکتا ہے کیونکہ عام طور پر بڑی شخصیات وصیت نامہ میں اپنی توقعات کا ذکر کرتی ہیں۔ اس حوالے سے بعض پہلوؤں پر میں نے شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ آئیڈیالوجی، ویژن اور حکمت عملی، نامی کتاب میں کچھ معروضات کو سپرد قلم کیا ہے۔ قارئین کو اسے پڑھنے کی دعوت دیتا ہوں لیکن وصیت نامہ کے تناظر میں شہید کی توقعات کیا ہو سکتی ہیں وصیت نامہ پر لکھنے کا نیاز اور یہ بن سکتا ہے۔ شہید ڈاکٹر ایک انتہائی متحرک اور عملی زندگی کی حامل شخصیت تھے وہ ایک ہی وقت میں جہاں ایک تھنک ٹینک تھے وہاں ایک قائد، کارکن اور ایک انتھک مجاہد بھی تھے۔ وہ چلتے پھرتے عملی سرگرمیوں نیز سفر و حضر میں اپنے عمل و کردار سے اپنی توقعات و امیدوں کا اظہار کرتے رہتے تھے میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ اگر وصیت ایک دینی فریضہ نہ ہوتا تو شاید وہ یہ تحریر بھی ورثہ میں نہ چھوڑتے کیونکہ براہ راست پند و نصیحت انکی روش نہ تھی۔ انہوں نے اپنی تنظیمی اور اجتماعی زندگی میں اپنے عمل و کردار سے آنے والوں کے لئے قابل عمل نقوش زیست چھوڑے ہیں بلاشبہ ان کی توقعات اور آنے والی نسلوں اور اپنے ساتھیوں سے امیدیں واضح و روشن ہیں۔ ان توقعات کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ انفرادی توقعات

۲۔ اجتماعی توقعات

انفرادی توقعات کو ان کی ذات اور انکے خاندان تک محدود کیا جاسکتا ہے۔ جس

پر ضرور لکھنا چاہیے لیکن اجتماعی توقعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انکی گفتگو میں شہید مظلوم سید عارف الحسینی "کی اس بحث کو اپنے کانوں سے سن چکا ہوں جس میں شہید حسینی "نے ذمہ داریوں کے چند دائروں کیطرف اشارہ کیا تھا یعنی سب سے بیرونی دائرہ ایک انسان ہونے کے ناطے سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اُسے ادا کرنا دوسرا دائرہ امت مسلمہ کے فرد ہونے کی بدولت ذمہ داریاں، تیسرا دائرہ ایک شیعہ ہونے کی مسئولیت اور چوتھا دائرہ ایک پاکستانی شہری ہونے کی ذمہ داری۔ ان چار ذمہ داریوں کے تناظر میں اپنے دوستوں اور چاہنے والوں سے انکی توقعات بھی انہی چار حوالوں سے ہوسکتی ہیں۔ وہ ایک انسان ہونے کے ناطے عالم انسانیت کے درد وغم میں شریک ہونے کو بنیادی ذمہ داری سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں کہیں بھی انسانی بنیادوں پر ظلم ہوا تو وہ اسکے خلاف آواز اٹھاتے وہ انسانی فلاح و بہبود کے لئے عالمی سیاست میں سامراجی اور طاغوتی طاقتوں کی تسلط پسندانہ پالیسیوں پر تنقید کرتے اور ایک توحید پرست عالمی معاشرے کے قیام کے لئے اپنی سرگرمیاں انجام دیتے۔ خالص محمدیؐ اسلام (اسلام ناب محمدیؐ) کا پیروکار عدل وانصاف پر مبنی عالمی معاشرہ تشکیل دینے پر یقین رکھتا ہے اور مہدی برحق منجی بشریت کا عالمی انقلاب کسی مکتب، مسلک فرقے، ملک، خطے نیز رنگ ونسل سے ماورا ہوگا اس میں تمام انسانیت کے لئے عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ تشکیل پائے گا پس شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی" بھی عدل وانصاف پر مبنی عالمی حکومت پر یقین رکھتے تھے لہذا ان کی فعالیت میں اس عالمی الٰہی معاشرے کا قیام اولین ترجیحات میں شامل تھا لہذا ان کی آنے والی نسلوں اور اپنے ساتھیوں سے بھی یہی توقع تھی کہ وہ اپنے آپ کو رنگ ونسل، مسلک ومذہب اور جغرافیائی حدود وقیود میں پابند نہیں کریں گے۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے کہ آپ کا ویژن عالمی ہونا چاہیے آپ انسانیت کے لیے قدم بڑھائیں اور جب آپ تمام مظلوموں کے لئے آگے بڑھیں گے تو مسلمان شیعہ اور پاکستانی بھی اس سے بلاواسطہ یا بالواسطہ مستفید ہوگا۔ قرآن کا پیغام بھی آفاقی ہے اور قرآن بھی انسان وآدم کے کمال کا خواہاں ہے۔ علامہ اقبال کے بقول

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم!

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی" کی توقعات کے تناظر میں اگر ہم ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کا تعین کریں تو ایک محدود جغرافیہ سے نکل کر ایک اسلامی معاشرے کے قیام کی خواہش واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ وہ اس حدیث نبویؐ پر ایمان رکھتے تھے کہ: جس نے اس حالت میں صبح کی کہ مسلمانوں کے امور کے بارے میں غور وفکر نہیں کیا وہ مسلمان نہیں: وہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے کہ وہ عالم اسلام اور امت مسلمہ کے امور سے آگاہی رکھیں۔ عالم اسلام کے دکھ درد میں شریک ہوں۔ اپنے آپ کو امت مسلمہ کا ایک بازو قرار دیں۔ آپ نے اپنی ایک تقریر میں آئی ایس او کے عہدیداروں کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ: جب تک آئی ایس او عالم اسلام کے امور کیطرف متوجہ رہی اس میں ترقی و پیشرفت اور ارتقاء ونکھار آئے گا جس دن اس تنظیم نے اپنے آپ کو عالمی اور امت مسلمہ کے مسائل سے الگ کر دیا اس دن تنظیم جمود کا شکار ہو جائیگی اور جمود حقیقت میں خاتمہ اور نابودی ہی ہوتا ہے: ایک پاکستانی ہونے کے ناطے سے شہید ڈاکٹر اپنے ساتھیوں سے یہی توقع رکھتے تھے کہ حب الوطنی اور اسلام کو ساتھ لیکر چلو اور پاکستان کی جغرافیائی حدود میں اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے مصروف عمل رہو۔ شہید ایک سیکولر محب وطن کو پاکستان کے فلسفہ قیام کے منافی

قرار دیتے تھے وہ پاکستان کے وجود کو اسلام اور قرآنی تعلیمات کے پرتو میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔ ان کی کسی تقریر یا نجی گفتگو میں سیکولر طاقتوں کو حتی مصلحتاً بھی مضبوط کرنے کا اشارہ یا کنایہ نہیں ملتا۔ شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ ایک بے مثال محب وطن تھے اور پاکستان سے محبت ان کے خون میں شامل تھی لیکن جب بھی ایک سیکولر پاکستان کا حوالہ ان کے سامنے آتا تو ان کا ردعمل شدید ہوتا۔ بعض دوست احباب انکے سامنے یہ دلیل لاتے کہ پاکستانی تشیع کے لئے ایک سیکولر حکومت زیادہ بہتر ہے کیونکہ معروضی حالات میں اگر پاکستان کوئی مکتبی دینی جماعت برسر اقتدار آگئی تو تشیع کے لئے مشکلات بڑھ جائیں گی لیکن شہید ڈاکٹر تاریخ سے مثالیں دیکر دوستوں کو قانع کرتے کہ سیکولر نظام دین کی

بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے جبکہ متعصب مذہبی نظام میں تمام تر خامیوں کے باوجود حقیقی دین کیطرف واپسی قدرے آسان ہوتی ہے۔ وہ پاکستان میں سیکولر قوتوں کو مصلحتاً مضبوط کرنے کے مخالف تھے۔ ان کا کہنا تھا ہم پاکستان کی سیکولر جماعتوں کو ایسے مواقع فراہم نہ کریں جس سے وہ پاکستان کے روایتی مذہبی معاشرے کو اتاترک اور شاہ ایران کے سیکولر معاشرے کی طرف لے جائیں۔ شہید ڈاکٹر محمد نقویؒ نے ملی تنظیموں کے ساتھ مل کر بعض جمہوری سیاسی جماعتوں کا ساتھ دیا لیکن شہادت سے پہلے بعض نجی محفلوں میں اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہم ابھی اس مرحلے کے لئے تیار نہ تھے ہم نے اپنے سیاسی کیڈر کو مطلوبہ تربیت فراہم کرنے سے پہلے سیکولر سیاسی میدان میں جھونک دیا جس کے نتیجے میں ہمارا سیاسی کیڈر سیکولر قوتوں کو اپنی راہ پر لانے کی بجائے انکے راستے پر چل پڑا۔ سیاسی جماعتوں کی قربت کے بعد شیعہ سیاسی شخصیات اور کارکنوں کے بدلتے رویوں، معیارات اور پر تعیش رہن سہن پر شہید کڑھتے تھے۔

شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ پاکستان کی اجتماعی سیاسی و سماجی سرگرمیوں میں اپنے دینی و مذہبی تشخص اور انقلابی راہ و روش کو برقرار رکھنے پر تاکید کرتے تھے اور اس حوالے سے انہیں بعض اوقات سخت تنقید کا نشانہ بھی بنایا جاتا لیکن وہ خط امام خمینیؒ اور روش شہید حسینیؒ پر آخری سانس تک ڈٹے رہے اور اپنی آواز بھی بلند کرتے رہے۔ شہید ڈاکٹر کی سیاسی، اجتماعی زندگی کے تناظر میں ان کی توقع یہی تھی کہ جیسا دیس ویسا بھیس اپنانے کی بجائے اپنے اسلامی، قرآنی اور رحمانی تشخص کو ہرگز نظرانداز نہ کیا جائے۔ اس تناظر میں شہید کی اپنے ساتھیوں اور چاہنے والوں سے بھی یہی توقع ہوگی کہ چند معمولی مفادات کے لئے اپنے اصولوں کو قربان نہ کیا جائے۔ چند سیاسی نما مذہبی مداریوں کی ڈگڈگی پر پیروان اہلبیت کو نہ نچایا جائے۔ اقتدار کے ایوانوں تک پہنچنے کی ہوس کو بجھانے کے لئے اہل بیتؑ کی اقدار کو پامال نہ کیا جائے۔ سرابوں کے تعاقب میں کوثر و تسنیم سے روگردانی نہ کی جائے۔ "کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا" کے مصداق پاکستان کی سیاست میں اپنی نصف صدی پر محیط لہو رنگ جدوجہد کو یکسر فراموش کر کے تھیوں، کرگسوں اور گرگٹوں کے پیچھے نہ بھاگا جائے۔ ایک پاکستانی ہونے کے ناطے شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کی ہم سے یقیناً یہ توقع ہوگی کہ ہم اپنی شناخت، انفرادیت اور شہید حسینیؒ کی روش کو نصب العین قرار دیتے ہوئے آگے بڑھیں۔ ایک شیعہ فرد کی ذمہ داریوں کے تناظر میں شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کی پوری زندگی ایک نمونہ عمل ہے انہوں نے شیعہ تنظیموں کی تاسیس و توسیع میں بنیادی کردار ادا کیا اور ان کی اپنے ساتھیوں سے بھی یہی توقع ہوگی کہ وہ بھی اس روش کو جاری رکھیں اور مظلوم شیعہ معاشرے کے لئے تمام توانائیوں کو بروئے کار لائیں۔ پاکستان کی تشیع بہت مظلوم ہے اُسے مشکلات سے نکالنے اور اس میں حقیقی کربلائی روح پھونکنے کے لئے طویل جدوجہد کی ضرورت ہے بلاشبہ عالمی، اسلامی اور پاکستانی بنیادوں پر کام کرنا لازم و ضروری ہے لیکن پاکستانی تشیع کو نظرانداز کرنا غیر معقول ہے بلکہ اسے

بقیہ تمام امور پر ترجیح حاصل ہونا چاہیے۔ پاکستان کی تشیع کو شعوری و لا شعوری طور پر دیوار سے لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک ایسی قوم جس میں قومی قیادت و رہنمائی کا پوٹینشل موجود ہے اُسے مختلف ہتھکنڈوں سے غیر ضروری مسائل میں الجھادیا گیا ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب نے جو حوصلہ دیا تھا اُسے مختلف حربوں سے کمزور کیا جارہا ہے۔ پاکستانی تشیع کو ایک نئے عزم بالجزم کے ساتھ میدان عمل میں داخل ہونا ہوگا۔ روایتی انداز شاید کارگر نہ ہو البتہ بنیادی اصولوں پر سمجھوتا نہیں ہونا چاہیے۔ شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ پاکستانی تشیع کو ایک باوقار، خود مختار اور میدان کی فاتح تشیع کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے اور وہ اپنے ساتھیوں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں کہ تشیع کے ارتقاء،

وتوسیع، استحکام اور سربلندی کے لئے کسی مصلحت کا شکار نہ ہوں۔ اپنی توانائیوں کو اس راستے میں صرف کریں شیعہ تنظیموں کو مضبوط کریں انکے داخلی اختلافات کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ شیعہ نظریاتی تنظیموں میں تربیت کو اولین ترجیح قرار دیں، کیڈر سازی کی طرف متوجہ رہیں اور دینی وسیاسی تربیت میں خط امام خمینیؒ اور روش شہید حسینی ؒ کو ہرگز نظرانداز نہ کریں۔ عالم تشیع کو اس وقت ولایت فقیہ کے مرکز سے منسلک کرنے کی اشد ضرورت ہے اور اس میں پاکستانی تشیع کا کردار نہایت اہم ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مفاد پرست ٹولے کو تشیع کی تقدیر سے کھیلنے کی اجازت نہ دیجائے۔ تشیع کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ کرنے کے لئے شارٹ ٹرم اور لانگ ٹرم حکمت عملی ترتیب دی جائے۔ آزمودہ ناکارہ نسخوں اور غلطیوں کو دہرانے سے پرہیز کیا جائے۔ شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ نے اپنے زندگی کے آخری ایام میں: امداد فاؤنڈیشن: جیسے اداروں کا قیام عمل میں لایا تھا اس روش کو بھی ترجیحات میں رکھا جائے شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کے مختلف خطابات و بیانات کو کتاب میں نقل کردیا گیا ہے اہل مطالعہ ان افکار ونظریات سے براہ راست استفادہ کریں تاکہ شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کی امیدوں وتوقعات سے کماحقہ آشنائی حاصل ہوسکے۔

علامہ اقبال کی ایک دعا ہے جس میں امیدوں وتوقعات کا اظہار کیا گیا ہے سے اس آرٹیکل کا اختتام کرتے ہیں

یا رب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنّا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دِکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سُوئے حرم لے چل
اس شہر کے خُوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے
اس دور کی ظُلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبّت دے جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریّا کر
خودداریِ ساحل دے، آزادیِ دریا دے
بے لَوث محبّت ہو، بےباک صداقت ہو
سینوں میں اُجالا کر، دل صورتِ مینا دے
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے
مَیں بُلبلِ نالاں ہوں اِک اُجڑے گُلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو، داتا دے!

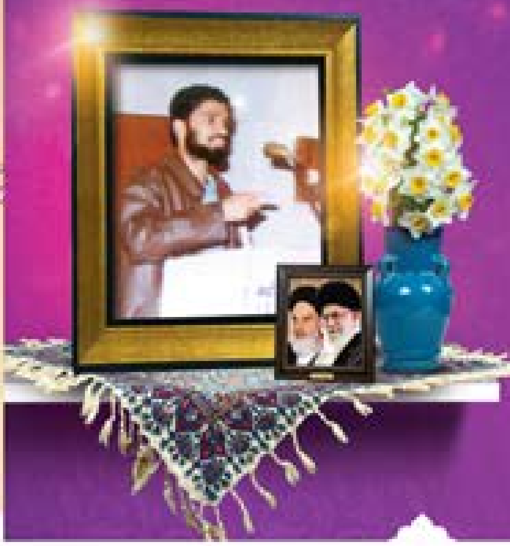

شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کی چند خصوصیات

تحریر: حجت الاسلام والمسلمین ڈاکٹر سید شفقت حسین شیرازی

ہر انسان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ایک خلا ضرور پیدا ہوتا ہے خواہ وہ انسان اپنی زندگی انفرادی و خانوادگی مسائل میں صرف کرے یا اجتماعی زندگی گزارے۔ لیکن بعض شخصیات تاریخ ساز ہوتی ہیں جو تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش چھوڑ جاتی ہیں۔ ایسی شخصیات نے اپنی زندگیاں کسی اجتماعی مشن کے لئے وقف کر دی ہوتی ہیں۔ اور اگر ایسی شخصیات میں سے بعض اپنے خون سے اپنے پیغام پر مہر بھی ثبت کر جائیں تو ان شخصیات کا پیغام اور وہ خود ہمیشہ کے لیے امر ہو جاتے ہیں۔ ایسی شخصیات نہ صرف خود امر ہو جاتی بلکہ قوموں کو زندگی عطا کر جاتی ہیں۔ ان شخصیات کا طرز حیات نمونہ عمل بن جاتا ہے۔ انہیں عظیم لوگوں میں سے ایک میرے معلم و محسن و برادر بزرگوار اور محبوب لیڈر ڈاکٹر سید محمد علی نقوی شہیدؒ ہیں۔

اس عظیم شخصیت کی خصوصیات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا لیکن شہید کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے ان کی زندگی کے چند پہلوؤں کی طرف سعادت سمجھتے ہوئے اشارہ کرتا ہوں۔ شہید محمد علی نقویؒ فکری اعتبار سے وہ کوئی عام مفکر نہیں تھے بلکہ انکے اندر تخلیقی سوچنے کی صلاحیت کا ملکہ موجزن تھا۔ اور وہ ہمیشہ اپنے افکار و نظریات سے دوسروں کو متاثر کرتے تھے۔ شہیدؒ جب بھی کسی موضوع کو زیر بحث لاتے اور حالات و واقعات پر تبصرہ کرتے تو ہمیشہ حقائق پر مبنی علمی و منطقی تجزیہ و تحلیل پیش کرتے تھے۔ شہیدؒ بلند حوصلے اور عظیم جرات کے مالک تھے۔ جیسی بھی پیچیدہ صورتحال ہوتی اور سخت سے سخت مشکلات و مسائل درپیش ہوتے وہ بردباری سے ان مسائل کا سامنا کرتے اور ہر قسم کے چیلنجز اور مسائل کے حل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ شہید محمد علی نقویؒ دانشمندی اور ذہانت میں اپنی مثال آپ تھے۔ فطری ذہانت ان کی شخصیت سے ہمیشہ چھلکتی تھی۔ جس کا واضح اثر ان کے مختلف فیصلوں اور اقدامات میں نظر آتا تھا۔ وہ زمانہ شناس تھے اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر آنے والی تبدیلیوں پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ انکے ارد گرد جو کچھ ہو رہا ہوتا وہ اس اچھی طرح باخبر ہوتے تھے۔ شہیدؒ بہت وسعت نظر سے امور کو دیکھتے اور تمام تر امور کے متعلق ایک جامع نظریہ رکھتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھنے سے ہمیشہ گریز کرتے۔ اور دین و مذہب اور ملک و ملت کے وسیع تر مفادات پر نگاہ رکھتے تھے۔ اجتماعی ذمہ داریوں کے بعد عام طور پر ایک لیڈر مختلف قسم کی مصلحتوں و مفادات و مجبوریوں و خواہشات و رغبات کا اسیر ہو جاتا ہے۔ لیکن شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ اس قسم کی پابندیوں سے آزاد تھے۔ ان کی شخصیت استثنائی شخصیت تھی۔

شہیدؒ حکمت و بصیرت میں بھی اعلیٰ درجات پر فائز تھے۔ انکی انفرادی واجتماعی زندگی کی روش اور ان کے فیصلے و اقدامات اس بات کے عکاس ہیں۔ انہوں نے اجتماعی روابط وذمہ داریوں کی ادائیگی کو اس طرح خوش اسلوبی سے ادا کیا کہ آج تک اپنے پرائے سب انہیں یاد کرتے ہیں اوران کی کمی محسوس کرتے ہیں۔

دشمن شناسی انکا طرہ امتیاز تھا۔ وہ ہواوہوس اور شیطان کے وسوسے وفریب سے بچنے کے لئے عبادت وریاضت اور انسانی فلاح کے امور پر پوری توجہ دیتے تھے۔ وہ عظیم عبادتگزار اور شب زندہ دار تھے اوراسی طرح عملی میدان میں انسانیت کی خدمت میں بھی سرفہرست نظر آتے تھے۔

شہیدؒ دین ومذہب اور ملک وملت کے اندرونی وبیرونی دشمنوں کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ شہیدؒ نوجوان نسل کو ان کی سازشوں اور حال و مستقبل پر مرتب ہونے والے انکے خطرات سے ہمیشہ آگاہ رہنے اور میدان عمل

میں آگے بڑھ کر انکا مقابلہ کرنے کی ہمیشہ تلقین کرتے تھے۔

شہید محمد علی نقویؒ فقط مقامی نہیں بلکہ عالمی سطح کے لیڈر تھے۔ اپنی اس خصوصیت کو انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا۔ انہیں اپنی عالمی و ملکی الہی قیادت پر مکمل یقین تھا اور انکے ارشادات و اوامر کی اطاعت و فرمانبرداری کی اعلیٰ مثال تھے۔ شہیدؒ کو خود اپنی اوراپنے ہم کار دوستوں اور ٹیم کے افراد کی صلاحیتوں پر بھی مکمل بھروسہ اور یقین تھا۔ مایوسی اور ناامیدی انکی شخصیت سے دور تھی اور ہمیشہ امیدوں کے چراغ جلاتے تھے۔ ہمیشہ ہشاش بشاش نظر آتے اور مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی کے ساتھ لوگوں سے ملتے۔ اوراسی کیفیت سے ہر قسم کے چیلنج کا مقابلہ کرتے۔ ان کا شعار توکل بر خدا تھا۔ خداوند تبارک وتعالی کی ذات پر مکمل یقین اور بھروسہ رکھتے۔ شہیدؒ مادی وسائل کی کمی کے باوجود مشکل ترین حالات میں خدا پر توکل کرتے ہوئے میدان عمل میں اتر جاتے تھے۔ شہید محمد علی

نقویؒ میدانی لیڈر اور قائد تھے۔ اور فقط نظریہ پردازی نہیں کرتے تھے بلکہ جو کام اور ذمہ داری ادا کرنے کا فیصلہ ہوتا وہ پہلے خود میدان میں اترتے اور ہمیشہ ہراول دستے میں نظر آتے تھے۔ "خود کام نہ کرنا اور دوسروں کو کام کرنے کا کہنا" انکے نزدیک تنظیم کو نقصان دینے اور توڑنے کا ایک سبب تھا۔ وہ مکتب امامت وولایت کے پروردہ تھے۔

قرآن واہل بیت علیہم السلام سے انہیں عشق تھا اور ہر قسم کی ذمہ داری اور فعالیت کو وہ اپنی شرعی تکلیف اور وظیفہ سمجھ کر ادا کرتے تھے۔ انکی شیریں گفتگو اوران کے مسکراتے ہوئے لبوں پر قرآن مجید کی آیات واہل بیتؑ کے نورانی فرامین اور حضرت امام خمینیؒ وشہید قائد علامہ عارف حسین الحسینیؒ کے زریں اقوال کا ورد جاری رہتا تھا۔

اللہ تعالی اس عظیم شہیدؒ کے درجات بلند فرمائے اورانہیں شہدائے کربلاء کے ساتھ محشور فرمائے اور ہمیں ان کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ بات تو سب ہی مانتے ہیں کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس فانی و مادی دنیا میں آنے والے ہر انسان کی شناخت و پہچان اس کا کردار و عمل ہی ہوتا ہے، جب سے کائنات وجود میں آئی ہے کروڑ ہا انسان آئے اور چلے گئے ان چلے جانے والوں میں اکثر کی خاک بھی نہیں ملتی مگر ان چلے جانے والوں میں سے بہت سوں کے کردار و اعمال ہمارے لیئے مثال کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہم ان کے ناموں کے ساتھ ان کے کرداروں کو اکثر اپنی باتوں، اپنے خطابات، اپنی تقاریر و تحاریر میں بہ طور استعارہ و مثال استعمال بھی کرتے ہیں اس میں اچھے اور برے ہر دو طرح کے کردار ہو سکتے ہیں البتہ اچھے کردار و اعمال والوں کو اچھائی اور برے اعمال و کردار والے کردارں کو بری مثالوں کے طور پہ پیش کرتے ہیں، یوں کہہ لیجیے کہ اچھے کردار والے لوگ بہ طور رہنما، راہ عمل سامنے رہتے ہیں اور برے اعمال والے کردار اپنے ناموں کے ساتھ بد کردار کے طور پہ اور نفرین کے ساتھ پیش نظر رہتے ہیں، آج جب دنیا کی آبادی اربوں میں ہو چکی ہے ان ارب ہا انسانوں میں کتنے لوگ ہیں جو اپنی کوئی منفرد شناخت بنا پاتے ہیں، اور پھر اچھے کرداروں کیساتھ مثالی اور آئیڈیل کے طور پہ اپنی زندگی یا موت کے بعد یاد رکھے جاتے ہیں۔ عمومی طور پہ ہم نے دیکھا ہے کہ ان پہچان بن جانے والوں کی پہچان کا کوئی ایک ہی زاویہ اور پہلو ہوتا ہے کوئی ایک شعبہ زندگی، کوئی ایک سیکٹر، کوئی ایک کردار ان کو یاد و شناخت کا ذریعہ بنا دیتا ہے، ان کا کردار یا ان کی سوچ و فکر یا انکی ایجاد، یا ان کا کوئی بڑا کام انہیں لوگوں میں نقش کر دیتا ہے، لوگ انہیں کتابوں کی صورت پڑھتے ہیں اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں، ان کی تصویریں کے البم سجاتے ہیں اور انہیں فریموں میں سجا کے دیواروں پہ لگایا جاتا ہے، بقول شاعر

چھوڑ جاتے ہیں جو نقوش قدم
ایسے رہبر مرا نہیں کرتے

سفیر انقلاب، مسیحائے ملت، شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی بھی ہم سب کیلئے ایسے ہی نمونہ عمل تھے وہ بھلائے نہیں بھلائے جا سکتے، ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید بلاشبہ ارض پاک پہ اسلام ناب محمدی کے حقیقی پیرو وہ پہ چارک تھے انہوں نے اپنی معرفت، اپنے کردار و عمل اپنی جدوجہد، اپنے اخلاص، اپنے بلند افکار، اپنے درد و احساس کی بدولت پاکستان بھر میں اپنا ایک نام و پہچان بنائی، ان کی استعمار دشمنی اور اسلام حقیقی سے محبت نیز ارض پاک پہ عالمی استعمار کو للکارنے اور ان کے مقامی ایجنٹوں کے خلاف ان کی مسلسل متحرک زندگی ایک روشن کتاب و کردار کی مانند موجود ہے بلاشبہ شہید ہماری ملت کے سرخیل اور ملت کے خلاف جاری استعماری جنگ میں ہمیشہ خط مقدم پہ رہنے والے تھے، انہوں نے اپنی تمام زندگی ملت تشیع بالخصوص نوجوانوں کی

تعلیم وتربیت ,شعور کی بیداری تحرک ,رفاہ وفلاح ,مسائل ومصائب کے حل,قومی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دیتے ہوئے دن رات ایک کیئے رکھا اور ایک پروفیشنل ڈاکٹر ہونے کے باوجود علماء سمیت ہر طبقہ فکر کیلئے نمونہ قرار پائے انہیں بہت سے اعزاز حاصل ہیں,بہر حال ہم ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کو سالار شہدا سمجھتے ہوئے ان کی یاد منا کر ان کے کارہائے نمایاں اور ایثار وقربانیوں کو یاد کر کے اپنے اندر تحرک وتحریک محسوس کرتے ہیں,یہ کیا کم ہے کہ وہ لوگ جو شہید ہو گئے اپنی شہادت کے بعد بھی ہمارے تحرک وبیداری کا باعث بنتے ہیں حالانکہ ہمیں ایسی قیادتیں اور لیڈران بھی ملتے ہیں جن کے وجود سے تحرک وبیداری تو نہیں مایوسی وبددلی کا احساس ضرور جنم لیتا ہے اور انسان ان کی رہنمائی پا کر کسی منزل کی جانب بڑھنے کے بجائے اپنا راستہ ہی بھلا بیٹھتا ہے جبکہ ڈاکٹر شہید ایسی شخصیت نے اتنے زیادہ کام کیئے ہیں کہ انہیں کسی بھی طور فراموش نہیں کیا جا سکتا,وہ اپنے خلوص,اپنے کام اور اپنی بے لوث خدمات کے باعث ہی یاد رکھے جاتے ہیں,ان کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ

میرے قبیلہ سرکش کا تاجور ہے وہ شخص
بڑھے جو دار کی جانب پیغمبروں کی طرح

جو لوگ شہید کیساتھ کام کر چکے یا جنہوں نے انہیں کام کرتے ہوئے دیکھا ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ جو شہید ڈاکٹر کے زمانے کے لوگ ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ شہید کا اوڑھنا بچھونا,سونا جاگنا,چلنا پھرنا سب کچھ اسلام ناب محمدی کی تبلیغ,ترویج اور عملی نفاذ کیلئے تھا,وہ بت شکن زمان حضرت امام خمینی کے سچے اور عملی فدائی تھے۔وہ واحد پاکستانی تھے جنہوں نے اپنے عمل سے انقلاب اسلامی اور نظریہ ولایت فقیہ سے اپنے اخلاص کو دوسروں پر ثابت کیا,بانی انقلاب اسلامی امام خمینی کی ذات سے ان کے عشق اور محبت کیلئے صرف دو مثالوں سے استفادہ کرتا ہوں,نوزائیدہ انقلاب اسلامی ایران پر جب امریکہ نے اپنے ایجنٹ صدام کے ذریعے حملہ کیا تو اسے امریکہ,نیٹو سمیت تمام عرب ممالک کی مدد حاصل تھی,ان ممالک صدام کے ساتھ ملکر ایران کو فتح کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے,اس موقعہ پر امام خمینی کی الہی شخصیت کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اسلام محمدی سے عشق کرنے والوں کیلئے صبح امید کی حیثیت رکھتے تھے,یہ سب ایران اور ایران سے باہر امام خمینی کے سچے اور کھرے عاشق اور فدائی تھے,جنگ تحمیلی کے دوران امام خمینی نے جہاد کی فرضیت بارے کوئی فتویٰ نہیں دیا,ہاں بس اتنا کہا کہ جو بھی استطاعت یا طاقت رکھتا ہے وہ جبہ یعنی محاذ پہ جائے,پاکستان جو ایران کا ہمسایہ ملک ہے اور انقلاب اسلامی ایران کو پسند کرنے والوں کی یہاں بھی بڑی تعداد موجود تھی ان پاکستانیوں میں سے جس شخصیت نے امام خمینی کی اس خواہش کو سنا اور اسے پورا کرنے کی کوشش کی وہ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید تھے,جو اپنے چند رفقاء کے ہمراہ جبہ (محاذ) پر پہنچ گئے تھے,انہوں نے محاذ جنگ پر بے انتہا خدمات سرانجام دیں وہ ڈاکٹر تھے جن کی محاذ جنگ پر اشد ضرورت ہوتی ہے,ان کی خدمات کو اہل ایران ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں,وہ انقلاب کی چکا چوند دیکھ کے انقلابی نہیں ہوئے تھے بلکہ انہوں نے ستر کے اوائل میں امام خمینی رح سے وابستگی اختیار کی تھی,جب دنیا کو انقلاب بارے گمان بھی نہیں تھا شاید اس وقت بہت سے ایسے جو بعد میں انقلابی بن گئے انقلاب کا نام لینے والوں کو دیوانہ کہتے تھے۔

سانحہ مکہ ہوا تو آل سعود کی طرف سے اہل ایران پر حج کی پابندی لگا دی گئی,لبنان کے جوانوں پر بھی عمر کے حساب سے پابندیاں لگائی گئیں,امام خمینی کی خواہش تھی کہ حج پر حسب دستور دنیا بھر سے آئے ہوئے حجاج کرام کو اصل حج یعنی براءت از مشرکین کا پیغام یاد کروایا جائے,وہ پیغام جس کو پہنچاتے ہوئے چار سو سے زیادہ حجاج نے اپنے خون کی قربانی دی تھی اور جائے امن پر جہاں ایک چیونٹی کو مارنا بھی منع کیا گیا ہے کو بلا جواز,بلا جرم وخطا خاک وخون میں غلطاں کیا گیا تھا اس پیغام کو پہنچانے کا انتظام وانصرام اور ذمہ داری فدائے امام خمینی ڈاکٹر محمد علی نقوی کے حصہ میں آئی,ڈاکٹر محمد علی نقوی نے تمام تر رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود اس پیغام امام ؛یعنی براءت از مشرکین؛ کو احسن طریقہ سے حجاج کرام تک پہنچایا,سعودی جابر وظالم حکومت کو جب اس کاروائی کا علم ہوا تو فوری حرکت میں آئی اور تلاش کرتے کرتے ڈاکٹر محمد علی نقوی تک پہنچ گئے,اس موقعہ

پر آپ اسیر ہوئے، انہیں سزائے موت کا حکم ہوا مگر انہیں خدا نے مزید کام کا موقعہ دیا، اس دوران پاکستان میں خمینی بت شکن کا ایک عظیم فرزند علامہ سید عارف حسین الحسینی شہادت سے ہمکنار ہوا تو حکمرانوں کو شدید پریشر محسوس ہوا جس کے باعث ڈاکٹر محمد علی نقوی کو رہائی نصیب ہوئی اور وہ رہا ہو کے اپنی میدان میں شہادت کے جذبے کیساتھ کھڑے نظر آئے، انہوں نے ایک دن بھی ضائع نہیں کیا اور مکہ سے واپس آنے کے بعد دورہ جات شروع کیئے۔

رونق تو وہی ہے پھر بھی جیسے
اک شخص کی شہر میں کمی ہے

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید 28 ستمبر 1952ء کو عالمی مبلغ مولانا امیر حسین نقوی کے گھر پیدا ہوئے اور 7 مارچ 1995ء کی صبح لاہور کے یتیم خانہ چوک میں اسلام و وطن دشمن دہشت گردوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے اس تینتالیس برس کی فانی و مادی دنیا میں شہید نے نا جانے کتنے ہی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ ہم انہیں سفیر انقلاب کہتے ہوئے یاد کرتے ہیں، ہم انہیں روح ملت کہہ کر پکارتے ہیں، ہم انہیں مسیحائے ملت کے القاب سے نوازتے ہیں، ہم انہیں درد آشنا جانتے ہیں، ہم انہیں مبارز و مجاہد اور مرد مومن کے طور پر شناخت کرتے ہیں، وہ ہمارے قلوب میں ایسے ہی بستے ہیں جیسے ہمارے جسم کا کوئی حصہ جس کے بغیر جسم نامکمل ہو۔

ڈاکٹر شہید کے والد مرحوم قبلہ مولانا سید امیر حسین نقوی علامہ سید صفدر حسین نجفی کے ہم عصروں میں شامل تھے وہ رشتہ دار بھی تھے اور ہم کار بھی، ہم فکر بھی اور ہم ساز و ہم آواز بھی، ان کی باتقوی شخصیت اور تربیت کا نتیجہ ہی تھا کہ شہید ڈاکٹر نے بچپن سے لیکر جوانی اور جوانی سے لیکر شہادت تک دینی تحریکوں اور قومی تنظیموں کی بنیاد رکھی اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو منواتے ہوئے لوگوں کا اعتماد حاصل کیا، ڈاکٹر شہید کے والد بڑے نامور عالمی مبلغ تھے ان کی زندگی بیرون ممالک میں تبلیغات میں گذری تھی اور وہ ایک بلند پایہ شخصیت کے مالک تھے مگر انہیں بھی اپنے بیٹے پر اس قدر اعتماد اور یقین تھا کہ انہوں نے ایک نشست میں جب ان کا تعارف ڈاکٹر صاحب کے والد کے طور پر کروایا گیا تو انہوں نے اس پر افتخار کیا، اور یہ بات بھی ان کے گھر کے معتبر فرد نے بتائی کہ جب بھی شہید کو پیسوں کی ضرورت ہوتی تھی اس کو وہ ہماری پاکٹ سے تو پورا کرتے ہی تھے اپنے والد سے بھی لے لیتے تھے ایسے ہی کسی موقعہ پر ایک بار انہوں نے قبلہ امیر حسین نجفی سے پیسے مانگے تو انہوں نے چیک بک پکڑاتے ہوئے کہا کہ جتنی ضرورت ہے لے لو مگر اس اکاؤنٹ میں اتنے پیسے ہیں یہ ایک باپ کا اپنے فرزند پر بے پناہ اعتماد تھا، ایک موقعہ پہ جب ان کے والد مریض تھے تو انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ محمد علی میری سفارش کرنا، جبکہ وہ خود ایک بے لوث مبلغ تھے جن کی ساری زندگی دین حق کی تبلیغات میں گذری تھی۔ ڈاکٹر شہید کا یہ حال تھا کہ جب انہیں لاہور کے زینبیہ ہسپتال میں دوستان کی خواہش پہ ملازمت کیلئے راضی کر کے رکھوایا گیا تو انہوں نے دوستان و رفقاء کو صرف چھ ہزار کی ضرورت بتائی تھی مگر ہسپتال کی انتظامیہ سے مذاکرات کے بعد دوستان نے یہ سات ہزار کروا دیئے تھے مگر شہید ڈاکٹر نے وہی چھ ہزار لینے پر اکتفا کیا، اور کہا کہ مجھے اتنی ہی ضرورت ہے اتنے اس میں سے بچوں کی فیس کے ہیں اور اتنے گھر کے اخراجات کیلئے کافی ہو گئے۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی زندگی کا مطالعہ کریں تو یہ آشکار ہوتا ہے کہ اس مرد مومن، مجاہد ملت کی زندگی و کردار کا ہر پہلو رہنمائی کا عنوان ہے بلکہ یہ بات لکھتے ہوئے کوئی جھجھک محسوس نہیں ہو رہی کہ وہ ہمہ جہت آئیڈیلائز کیئے جا سکتے ہیں، ان کی پہچان و شناخت کیلئے کس کردار کو اہمیت دی جائے یا کس کردار و عمل کو فوقیت دی جائے، بہت مشکل محسوس ہوتا ہے، ان کے کس کام کو بڑا کہا جائے اور کس کارنامے کو سب سے اونچے درجے پر رکھا جائے، ان کی زندگی کہ بہاریں ان کے ساتھ گذارنے یا ان کی شہادت کے بعد ان کی
زندگی کا مطالعہ کرنے والے کسی محقق کیلئے بھی یہ کام خاصا مشکل لگتا ہے۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید نے اوائل عمر سے ہی فعال و متحرک کردار ادا کیئے

ہیں ،انہوں نے تعلیمی میدان میں بھی خود کو منوایا اور دینی و تنظیمی میدان میں بھی سرخیل کے طور پر سامنے رہے ،انہوں نے وقار دین و علمائے دین کا بیڑا بھی اٹھایا اور انہیں مدرسوں و خانقاہوں سے باہر نکال کر عالمی و ملکی سیاست کے افق پر نمایاں بھی کیا ،وہ ملت کے دردوں کا درماں کرتے بھی نظر آئے اور مسیحائی جیسے پر اثر پیشے سے بھی منسلک دکھائی دیئے ،وہ ان تھک مبارز کے طور بھی سامنے رہے اور مجاہد ملت کے طور پر ان کا کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ،وہ ایک شجاع اور دلیر شخصیت کے مالک کے طور بھی پہچان رکھتے تھے اور زیرک و دور اندیش حکمت کار کے حامل بھی دیکھے گئے ،انہیں جاننے والوں نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرشتہ صفت بھی کہا اور وہ عابد شب زندہ دار ،قاری و دعا و مناجات خواں کے کردار میں ڈھلے بھی دیکھے گئے ۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید منکسر مزاج ،انصاف پسند ،دیانت دار ،شجر سایہ دار ،مقرر ،اثر پذیر ،متفکر ، عمل گیر ،اخلاق حسنہ کی عملی تصویر تھے ،ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید ہمدرد ،غمگسار ،معاون ،مددگار ،محسن ،متقی پرہیزگار ،اور بہت ہی ملنسار تھے ،وہ کربلا کے حقیقی پیرو تھے ،انہیں صادق و سچا عاشق کربلا کہا جا سکتا ہے جو اے کاش ہم کربلا میں ہوتے نہیں بلکہ اس کا عمل و کردار بتاتے کہ جیسے ہم کربلا میں ہیں اور اپنا کردار ادا کرنے کا موقعہ ہے ،وہ رہ حسینؑ کا مسافر تھا جس نے خمینی کی کربلا میں حسینی دعوت پر لبیک کہا اور ایک لمحہ کیلئے بھی اپنی جان کی فکر نہیں کی اور نہ ہی کسی اور رکاوٹ اور بہانے کو سد راہ بنایا ۔

ڈاکٹر شہید کی زندگی بہت ہی منظم ہوتی تھی اور ان کے زندگی کے آخری چند برس تو بے حد منظم گذرے ،منظم سے مراد روزمرہ کا شیڈول ہے جو آخری ایام میں بہت باقاعدہ ہو گیا تھا ،صبح شیخ زاید ہسپتال ،اڑھائی بجے کے بعد وہاں سے دفتر تحریک یا آئی ایس او ،یہاں تنظیمی شخصیات سے ملاقاتیں ،باہر سے آنے والے متفکرین کے مسائل سے آشنائی و اقدامات ،روابط ،اور یہاں سے امداد فاؤنڈیشن کے دفتر علی کمپلیکس ،وہاں سے پانچ بجے کے قریب نجی و ذاتی ہسپتال ،نو بجے کے بعد پھر کچھ ملاقاتیں اور رات گئے کسی پہر گھر ،گھر میں بھی ان کا یہ عالم کہ فون کا سلسلہ اندرون و بیرون ممالک سے رات گئے تک جاری رہتا اس لیئے کہ اس دور میں موبائل فون کا زیادہ چلن نہیں ہوا تھا ،ان کے گھر کا نمبر ہر ایک تنظیمی کو زبانی یاد ہوتا تھا جسے بھی کوئی مسئلہ ہوتا تو اسے بلا جھجک کسی بھی وقت فون کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی ،شاید اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کی زندگی میں لاہور کی سطح پہ بالخصوص اور پاکستان بھر میں بالعموم کسی بھی تنظیمی کو کوئی بھی مشکل پیش آتی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ہر ایک کے ذہن میں ایک ہی نام آتا ۔ وہ نام شہید ڈاکٹر کا ہی تھا ،لاریب وہ ہر ایک کی امید تھے ہر مسئلہ کے حل کی کلید تھے ،ان کے ہوتے مایوسی ہرگز نہیں ہوتی تھی بلکہ ان کے ہوتے نوجوان بڑے سے بڑا رسکی کام بھی کر گذرتے کہ اگر کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو ڈاکٹر صاحب موجود ہیں سنبھال لیں گے ،نوجوانوں کا اعتماد تھا اس لیئے کامیابیاں بھی ملتی تھیں ۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید زندگی میں ایک ایسے محوری حیثیت رکھتے تھے جس کے گرد ملک بھر کے تنظیمی نوجوان کھنچے چلے آتے تھے ان کی مقناطیسی شخصیت کی کشش سے ہر کوئی ان سے مربوط رہتا تھا اور ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کا یہ کمال تھا کہ وہ ہر ایک سے اس کی صلاحیتوں کے مطابق کام لیتے تھے کسی کو بیکار نہ رہنے دیتے تھا گویا ان کی ذات کی شکل میں تنظیمی مسئولین و سابقین کا ایک نیٹ ورک موجود تھا ان کی شہادت کے بعد ہم اس مقناطیسیت سے محروم ہو گئے اور سابقین کا کوئی نیٹ ورک بھی قائم نہ کر سکے نہ ہی کوئی ایسی شخصیت ابھر کر سامنے آسکی جس پر شہید ڈاکٹر کی طرح سب احباب و دوست اعتماد کرتے اور وہ شخصیت بھی اپنے مستقبل کی قربانی دے کر قومی اجتماعی جدوجہد اور تحریک اسلامی کو مضبوط کرتی ۔ وقت آج بھی ہمیں پکار رہا ہے ۔ آج بھی کام کرنے کی شدید ضرورت ہے آج بھی سعادت و خوش بختی کا اور شہداء کا راستہ منتظر ہے کہ کوئی محمد علی نقوی بن کر آئے اور چھا جائے ۔ آخر میں تعزیت و تسلیت عرض کرتے ہوئے یہی کہوں گا کہ

میرے خیال نے جتنے بھی لفظ سوچے ہیں
تیرے مقام ،تیری عظمتوں سے چھوٹے ہیں

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید
اور
حق کی تلاش
کشمیر و فلسطین کانفرنس اسلام آباد میں یادگار خطاب

عبداللہ کھوکھر

اس میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ روح ملت ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید ہی ایسی شخصیت تھے جن کا کردار و عمل ایسا تھا جس کے باعث انہیں پاکستان کے انقلابی فکر کے نوجوانوں کی عقیدت ومحبت میسر آئی اور انہوں نے نا صرف اپنی زندگی میں نوجوانوں کو متاثر کیا بلکہ آج جب ان کی اٹھیسویں برسی منائی جارہی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان سے محبت کا اظہار کرنے والی وہ نسل ہے جنہوں نے کبھی انہیں دیکھا تک نہیں، ان کی باتیں نہیں سنیں، ان سے ربط نہیں تھا اور نہ ان میں سے کسی کیساتھ شہید نے کوئی احسان کیا، یا کسی کی مشکل و پریشانی میں اس کیساتھ کاندھا ملاکے کھڑے نظر آئے لیکن اس کے باوجود ہم لوگوں کو دیوانہ وار عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے دیکھتے ہیں، شاید اس کی وجہ کوئی یہ ہے کہ ہم نے ان کے بعد کسی کو اتنا بڑے مقام و مرتبہ پر نہیں دیکھا، کردار و عمل کی بلندی کے اس معیار کو جہاں ڈاکٹر شہید چھوڑ گئے ہیں کوئی اور پہنچتا نہیں دیکھا گیا لہذا آج کی نسل کیلئے بھی وہی متاثر کن شخصیت ہیں، اس حوالے سے بھی ہمارے بزرگان و ذمہ داران پہ بات آتی ہے کہ وہ اتنے عرصہ میں کوئی ایسی شخصیت پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں اور جو خداوند کریم و مہربان نے نعمت کی شکل میں عطا کی تھی اس کی حفاظت نہیں کر سکے، اب ہاتھ پاؤں مارنے اور لکیر پیٹنے کے ماسوا کیا بچتا ہے سو یہی کچھ کیا جارہا ہے، میں نے شہید کی زبانی اسلام آباد میں ایک انٹرنیشنل کشمیر و فلسطین کانفرنس میں خطاب سنا تھا جو بہت ہی اثر انگیز اور متاثر کن ہے، شہید ڈاکٹر میں جہاں دیگر بہت ساری بلکہ ان گنت خوبیاں تھیں وہاں دوستان اس کی بھی گواہی دیتے کہ انہیں گفتگو کا ملکہ حاصل تھا، وہ اگرچہ انگلش میڈیم کے طالبعلم تھے مگر اردو میں تقاریر کرتے ہوئے ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے الفاظ اس قدر اثر ڈالتے کہ سننے والا اس انتہائی مختصر گفتگو کو پلے باندھ کر عمل کے میدان میں وارد ہوتا دیکھا جاتا۔ آج لوگ تین تین گھنٹے کا خطاب کرتے ہیں پھر بھی انہیں شکوہ ہوتا ہے کہ اصل بات پہنچانے کیلئے مزید وقت کی ضرورت ہے، ڈاکٹر شہید اس کے برعکس تھے۔ جس کشمیر و فلسطین کانفرنس کا ذکر کیا اس میں شہید کے خطاب کا مکمل متن پیش خدمت ہے امید ہے کہ نوجوانوں کیلئے شہید کے خلوص سے بھرپور یہ گفتگو رہنمائی کا ذریعہ ثابت ہوگی اور وہ اس اسلام ناب محمدی کے اصل پیرو کی شخصیت سے مزید محبت کرنے لگیں گے، حق کی تلاش کے اس سفر میں انہیں اندازہ ہوگا کہ انہیں کن مراحل سے گذرنا پڑ سکتا ہے۔ پیش ہے شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کا 1992ء میں کشمیر و فلسطین انٹرنیشنل کانفرنس سے تاریخی خطاب۔۔۔!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز دوستو! دو مختصر سی باتیں آپ تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں

انتہائی خوشی ہے کہ جوانوں کی ایک ایسی محفل ہے جس میں کوئی بھی پیغام ہم لے بھی سکتے ہیں اور دے بھی سکتے ہیں۔ پہلا عنوان میرا یہ ہے۔ حقیقت کی تلاش In Search Of Truth

انسان کب یہ جان سکتا ہے کہ وہ سچائی کو پا چکا ہے۔ انسان کب اپنے سفر کو روک دے کب اپنی سوچ کو بند کر دے کہ میں حقیقت کو پا چکا ہوں۔ کیا وہ لوگ جنہوں نے حضرت آدمؑ پیغام تو قبول کیا لیکن حضرت نوحؑ کا ساتھ نہ دے سکے۔ اور کیا وہ لوگ جنہوں نے حضرت نوحؑ کا پیغام تو قبول کیا لیکن حضرت ابراہیمؑ کا وہ ساتھ نہ دے سکے۔ اس کو فوراً آگے بڑھاتے ہیں کچھ لوگ ہیں جو کچھ پیغام تو سنتے ہیں اس کو لیتے ہیں وصول کرتے ہیں لیکن اس کی تحقیق کے لئے آمادہ نہیں ہوتے کہیں نہ کہیں آ کے رک جاتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ شاید یہی حقیقت ہے جس کے اوپر آ چکے ہیں اسی کے متلاشی تھے۔ لیکن زمانے نے واضح طور پر بتایا کہ انسان کو ہمیشہ ہمیشہ حقیقت کی جستجو میں رہنا چاہیے In Search Of Truth۔

اے عزیز دوستو! میں نوجوانوں کے ایک ایسے قافلے کو دیکھ رہا ہوں کہ جس نے اس سرزمین اور اس خطہ ارضی پر جب انقلاب اسلامی کی آواز اور بعد کی Waves محسوس کیں تو یہ وہ سرزمین ہے کہ جس پر نوجوانوں کا ایک لشکر موجود ہے کہ جنہوں نے بغیر کسی جھجک کے، مجھے یہ لفظ کہنے دیجئیے بغیر کسی منافقت

کے انقلاب کے پیغام کو اسی طریقے سے جذب کیا کہ آج وہی جذبہ کام آ رہا ہے کہ ان Waves کو Obserbe کرنے کے بعد ان Waves کو منتقل کرنا چاہتے ہیں کشمیر بھی اور اس سے پار بھی۔ ہم صرف کشمیر کی آزادی نہیں چاہتے بلکہ انشاء اللہ چین کے اندر جو مسلمان ریاستیں اور مسلم آبادیاں اس وقت موجود ہیں، اور خود ہندوستان کے اندر موجود ہیں ان کی بھی آزادی چاہتے ہیں۔ یہ ایک پاکستان کافی نہیں بلکہ کئی پاکستان بننا ضروری ہیں۔

اے میرے عزیز دوستو! دوسری بات اور دوسرا پیغام

جستجو کی دنیا یہ کہتی ہے کہ آپ اس Realty کو مان لیں۔ یہ ایک حقیقت ہے (معزز علماء و معززین جو موجود ہیں۔) ان کے توسط سے اور اپنے لئے جو ایک درد رکھتا ہوں اور دوستوں کے لئے ایک پیغام۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ ان REALITIES کو قبول کریں یعنی جو کچھ ہو چکا ہے اس کو قبول کریں لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس جس زمانے میں جس کسی نے جس بھی طریقے سے جو بھی غلطیاں کی ہیں۔ جو بھی اس کے ذہن نے سوچا اس کے مطابق جو کچھ کر دیا۔ آیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنے والی نسلیں تمام کی تمام ان غلطیوں کو قبول کرتی رہیں اگر یہی Realities ہمارے لئے ہوتیں۔ تو Russia کبھی تقسیم نہ ہوتا۔ خود امریکہ کو یہ حق نہ پہنچتا کہ اپنے تسلط کے ذریعے سے یا کسی اور کے ذریعے سے وہاں کی مقامی آبادیوں پر اپنا قبضہ جمائے رکھے۔

عزیزان! کوئی بھی ایسی Realities نہیں ہیں کوئی ایسی حقیقتیں نہیں ہیں کہ جن کو ہم اپنے اوپر مسلط کر لیں ان کے اندر تبدیلی حق کی تلاش کے بعد، معززین (موجود) ہیں۔ حق کی تلاش کے بعد ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا اور اس کو اسلام کہنا یا اس کو صبر کہنا، میں سمجھتا ہوں سراسر کمزور افراد کی پہچان ہے۔ Realities جو ہوتی ہیں ان کو انسان بناتا ہے۔ اور آپ کے سامنے پوری دنیا نے دیکھا کہ ایک مملکت جو اپنے آپ کو ایک عجیب سی Realty بنا کر سپر پاور بنا کر بیٹھا ہوا تھا وہ کس انداز میں پاش پاش ہوا۔ بس اس نکتے کو ذہن میں رکھیے گا۔ جو چیز باہر سے نظر آتی ہے وہ ضروری نہیں ہے کہ Realty ہو اور اس فریب کو توڑنا اشد ضروری ہے۔ اور یہی جدوجہد کا پیغام ہے۔

ایک پیغام اس کانفرنس میں دیگر تمام مکاتب فکر کے لوگوں کو دیکھتے ہوئے ایک تنظیم کی تھوڑی بہت ترجمانی کرتے ہوئے آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ دل کی گہرائی کے ساتھ! اے بزرگواران! اے اسلام کے مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد! آئیے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اس نکتے کو تسلیم کریں۔ اسلام کے جتنے بھی مکاتب فکر ہیں۔ اس کے لئے جو پیش قدمی ہماری طرف سے ممکن ہو سکی ہم نے گذشتہ بیس سالوں میں اس سرزمین پاکستان پر تقریباً پاکستان کے ہر تعلیمی ادارے میں اپنے

عمل سے ثابت کیا میں متوجہ کر رہا ہوں امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کی اس ایک کارکردگی کی طرف کہ جو گذشتہ اوقات میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں توفیق حاصل ہوئی کہ ہم نے کراچی سے لے کر خیبر تک ISO کے نام پر کہ جس کے نام میں ایک تعصب ضرور محسوس ہوتا ہو گا لیکن ہمارا عمل شاہد ہے کہ ہم نے ہر مرحلے پر اسلام کی خاطر اتحاد بین المسلمین کی خاطر قدم آگے ہی بڑھائے ہیں ہماری یہ خواہش ہے کہ اس قسم کے قدم دوسری طرف سے بھی بڑھنے چاہیں اس سے نہ صرف نفرت کم ہو گی بلکہ مسائل کے حل کے لئے اور اہداف کے حصول کے لئے پیش قدمی میں اضافہ ہو گا۔

عزیز دوستو! آخری بات یاد رکھیے خود امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر تاکید کی تھی کہ صف اول کا جہاد ہر جہاد سے افضل ہے یہ مت سوچیئے! کہ ہماری چند ایک کانفرنسیں ہمارے مطالبات و اشتہارات مسائل کا حل ہیں۔ مسائل کے حل کے لئے پیش رفت ہو سکتی ہے۔ خراج تحسین کے مستحق اور لائق وہ لوگ ہیں جو صف اول کا جہاد کر رہے ہیں۔ آپ کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے شاید یہ پیغام آپ تک پہلے بھی پہنچا ہو اور ایک پوسٹر آپ نے شاید انقلاب کے زمانے سے پہلے دیکھا ہو کہ ایک ننھا بچہ جس کے دونوں بازو کٹے ہوئے ہیں (زخموں سے) خون رس رہا ہے۔ اشعار ہیں جو وہ کہہ رہا ہے اور اس کا جواب بھی خود ہی دے رہا ہے۔ کہہ رہا ہے کہ:

اے دشمن! تم نے میرے دونوں بازو کاٹ دیئے ہیں۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ میں انقلاب کے لئے کام نہیں کر سکوں گا؟

نہیں نہیں! میرے پاؤں سلامت ہیں میں چل کر خدمت کروں گا۔ پھر کہتا ہے

اے دشمن! تو چاہے گا کہ میرے دونوں پاؤں بھی کاٹ دیے جائیں اور پھر سوچے گا کہ شاید میں انقلاب کے لئے کام نہ کر سکوں۔

نہیں نہیں! میرے منہ میں جب تک زبان ہے میں اپنی زبان کے ذریعے انقلاب کا پیغام دوں گا۔ پھر کہتا ہے

اے دشمن! عین ممکن ہے تو چاہے گا زبان بھی کاٹ دے تو شاید انقلاب کا پیغام رک جائے۔

نہیں نہیں! میں اپنی آنکھوں کے اشاروں سے یہ پیغام دیتا رہوں گا پھر کہتا ہے

اے دشمن! عین ممکن ہے تجھے یہ بھی گوارا نہ ہو اور پھر تو میری آنکھیں نکال دے گا اور سوچے گا کہ میرا پیغام رک جائے۔

نہیں نہیں! میرا ہر سانس جو اندر آئے گا اور جو باہر جائے گا وہ میرا پیغام دے گا۔ اور

اے دشمن یاد رکھو مجھے یقین ہے کہ تجھے یہ سانس بھی گوارا نہیں ہو گا اور تو چاہے گا میرا خون بہا دے میرا خون جہاں بہے گا اس زمین سے جو فصل اگے گی وہ جو لوگ کھائیں گے ان تک میرا یہ پیغام پہنچے گا۔

یاد رکھئے اے عزیز دوستو! یہ اپنا جذبہ ہے اور ہم تک یہ چیز منتقل ہوئی ہے اگر آپ اپنے جذبات کو دل کی گہرائیوں میں اتار سکیں تو یہ پیغام آپ تک آج بھی پہنچ رہا ہے میں ایک تنظیم کے توسط سے اس کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کو ایک پیغام دینا چاہتا ہوں اپنے آپ کو اور آپ تمام لوگوں کو کہ اے عزیز دوستو! آپ نوجوانوں تک جو پیغام پہنچا ہے اسلام کا، اسلام حقیقی کا حریت کا، آزادی کا، استقلال کا یہ پیغام آپ تک نہ اشتہارات کے ذریعے سے پہنچا ہے نہ گفتگو کے ذریعے سے لیکن قسم کھا کر کہتا ہوں آپ تک یہ پیغام ان لاکھوں نوجوانوں کے خون اس زمین پر رسنے کے بعد اور آپ کا اور ہمارا اس فضا میں سانس لینا۔ اس کے ذریعے یہ پیغام ہمارے اندر منتقل ہوا ہے۔ لہٰذا میں یہ کہتا ہوں کہ غازی یا شہادت ہماری تقدیر ہونی چاہیے۔

نوٹ: کشمیر و فلسطین انٹرنیشنل کانفرنس اسلام آباد میں مارگلہ موٹل میں امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کے زیر اہتمام منعقد ہوئی تھی جس میں دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کے نمائندگان شریک ہوئے تھے۔

اخبار فروش شہید!

از قلم: س۔ ع ابوالانصار

چھ جولائی 1985 کو کوئٹہ کا خونچکاں سانحہ پیش آیا جو ملت تشیع پاکستان کی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ فوجی آمر آنجہانی جنرل ضیاء حکومت کے جبر وتشدد کے نتیجہ میں ملت کے تقریباً دو درجن افراد کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا اور اس سے دو گنے مؤمنین زخمی ہوئے جن میں سے کچھ تمام عمر کے لئے معذور ہو گئے۔ سانحہ کے بعد کوئٹہ میں مؤمنین کی آبادی والے علاقوں میں بدترین کرفیو نافذ کر کے انہیں گھروں میں محصور کر دیا گیا اور علاقے کا باقی پاکستان کے مؤمنین سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ گھر گھر تلاشی اور گرفتاریاں کر کے جرنیلی آمریت نے خوف و دہشت کی فضا قائم کرنے کی کوشش کی۔ کوئٹہ میں ملت جعفریہ کے اندر موجود نام نہاد قوم پرست حکومتی ایجنٹوں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی وفاداری کو ثابت کرنے کے لیے انتظامیہ کی ہر ممکن مدد کی۔ علماء کرام، تنظیمی جوانوں اور تحریک کے بزرگ کارکنوں کی نشاندہی وگرفتاری کے علاوہ مذہبی رجحان وہمدردی رکھنے والے مؤمنین کی گرفتاری اور انکو ہراساں کرنے کے لیے ان قوم پرست جاسوسوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایسے حالات میں جب کہ کوئٹہ کے مؤمنین بے یار و مددگار رہ گئے تو قائد شہید نے کوئٹہ کو تنہا نہیں چھوڑا۔ اگرچہ قائد شہید کو کوئٹہ ایئر پورٹ سے واپس کر دیا گیا۔ لیکن انہوں نے رابطہ کرنے کی کوشش میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ قائد شہید نے شہید ڈاکٹر نقوی کو کسی بھی طرح جلد از جلد کوئٹہ پہنچ کر مقامی قیادت اور کارکنوں سے رابطہ برقرار کرنے کا کہا۔ اور جو کام شہید ڈاکٹر نقوی کے ذمہ لگایا جاتا اس پر انگریزی کا مقولہ "Think Done" بالکل صادق آتا۔ خدا نے شہید ڈاکٹر نقوی کو تدبر، موقع شناسی، بصیرت اور حسن تدبیر جیسی خصوصیات سے بھی نوازا تھا۔ خوف و دہشت اور گھیراؤ کی اس فضاء میں کسی تنظیمی شخصیت کا کوئٹہ پہنچنا ناممکنات میں سے تھا۔ علماء کرام اور تنظیمی عہدیداران کی اکثریت گرفتار ہو چکی تھی اور گرفتاری سے نکلنے والی ایک محدود تعداد روپوش تھی۔ مؤمنین کی آبادی کے علاقے سخت حکومتی گھیرے میں تھے اور علاقے کو فوج کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ایسے میں حکومتی گھیراؤ کا توڑ کر کے کوئٹہ پہنچنا اور تنظیمی کارکنوں سے رابطہ اور بحالی کی سرگرمیوں کا آغاز بظاہر ایک ناممکن امر تھا۔ لیکن شہید ڈاکٹر نقوی اپنی تدبیر اور فراست سے ایک نہایت دلچسپ طریقہ سے حکومتی اداروں کی آنکھ میں دھول جھونک کر علاقے کے مؤمنین تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ آج بھی ڈاکٹر شہید کے اس ذہین وفطین طریقہ کار کی یاد آتی ہے تو اگرچہ لبوں پر تو بیساختہ مسکراہٹ آتی ہے لیکن ساتھ ساتھ دل روتا بھی ہے کہ ہم نے کیسے کیسے گوہر

پائے نایاب کھو دیے ہیں۔ شہید نقوی قائد کے فرمان کے مطابق کوئٹہ پہنچ تو گئے لیکن علاقے میں داخل ہونا ایک بڑا چیلنج تھا۔ کرفیو کی سختیاں اور نام نہاد قوم پرست تنظیموں، ہزارہ سٹوڈنٹس فیڈریشن اور تنظیم نسل نو ہزارہ کی دین دشمن سرگرمیاں حکومتی آشیر باد کی وجہ سے عروج پر تھیں۔ اس دور کے ضیائی آمریت کی مجلس شوریٰ کے ایک رکن جنکا تعلق بھی علمدار روڈ سے تھا حکومتی مشینری کے دست راست کے طور پر مومنین کے خلاف سرگرم عمل تھے۔ تنظیمی عہدیداران و کارکنان اور ہمدردوں کے گھروں کی چن چن کر نشاندہی کی گئی۔ گھروں پر بار بار چھاپے پڑ رہے تھے۔ شہید نقوی نے علاقے سے باہر رہ کر حالات کا جائزہ لیا اور محفوظ طریقے سے اندر داخل ہونے کے لئے ایک سیدھی سادھی اور انوکھی تدبیر سوچی۔

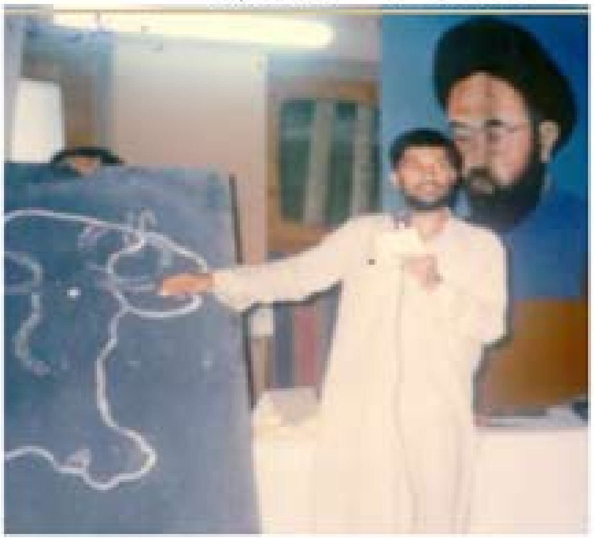

قارئین کرام یقیناً بے چینی سے جاننے کے لئے بیتاب ہونگے کہ شہید ڈاکٹر کیسے اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر علاقے میں داخل ہوئے! شہید نے دیکھا کہ سخت پابندیوں کے باوجود مومنین کے علاقے میں اخبار فروشوں کا داخلہ ممنوع نہیں، اور وہ آسانی سے علاقے میں داخل ہو کر اخبارات وغیرہ پہنچاتے ہیں۔ ایک دن صبح سویرے وہ بھی اخبار فروش کا روپ دھار کر اخبارات کا بنڈل اٹھائے نہایت آسانی سے علاقے میں داخل ہوئے۔ اور یوں لگتا ہے کہ داخل ہوتے وقت شہید نے ڈیوٹی پر موجود اہلکاروں کو پڑھنے کے لئے اخبارات کے کچھ نسخے بھی تحفتاً دیئے ہونگے تاکہ وہ

حالات حاضرہ سے باخبر رہ سکیں!!! شہید نہایت ذہانت سے تمام حفاظتی حصار سے بآسانی گذر کر علاقے میں پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور تنظیمی عہدیداران و کارکنان سے اپنی جان خطرے میں ڈال کر رابطے برقرار کئے۔ اور قائد شہید کو علاقے کی مکمل صورت حال سے آگاہ کرنیکی ذمہ داری بخوبی ادا کی۔ ان کی فراہم کردہ معلومات کی وجہ سے سانحہ کوئٹہ سے متعلق تحریک کو اپنا لائحہ عمل تیار کرنے میں آسانی ہوئی۔ قائد شہید کے حکم پر کوئٹہ کے اسیروں کی رہائی کے لیے کوئٹہ کی طرف لانگ مارچ کا اعلان کیا گیا۔ شہید نقوی نے ہمیشہ کی طرح اس لانگ مارچ کی کامیابی کے روح رواں کے طور پر کام کیا۔ اور حکومت نے تمام اسراکو لانگ مارچ سے قبل ہی غیر مشروط طور پر رہا کر کے تمام مقدمات ختم کر دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ قائد شہید اور ڈاکٹر نقوی شہید کی جدوجہد کے اشتراک سے ملت نے ان سالوں میں بے مثال بیداری کے ثبوت دیگر تاریخی کامیابیاں حاصل کیں۔ ان دو عظیم ہستیوں کی شہادت کے بعد پاکستان کی ملت تشیع حقیقی معنوں میں یتیم ہو گئی۔ اور آج تک انکی کمی پوری نہیں ہو سکی اور شاید کبھی پوری نہ ہو!

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

پس تحریر: جس طرح شہید ڈاکٹر نقوی کرفیو کے حالات میں کوئٹہ پہنچے اسی طرح 30 ستمبر 1988 کو جب قوم کی طرف سے یہ فیصلہ ہوا کہ ڈیرہ اسماعیل خان کے رکے جلوسوں کو نکلوانے کیلئے پوری قوم ڈیرہ اسماعیل خان پہنچے گی تو حکومت نے یہاں بھی کرفیو لگا دیا، ڈیرہ کو ہر طرف سے آنے والے راستوں کو بند کر دیا اور سخت پہرے بٹھا دیئے مگر کربلا کا یہ زخمی مسافر شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی تمام تر رکاوٹوں اور گھیراؤ کو توڑ کے سب سے پہلے پہنچ گیا اور اس روز زخمی ہونے والوں کی ممکنہ وسائل سے طبی امداد کا سامان کیا جو لوگ اس محاذ پہ موجود تھے وہ آج بھی شہید ڈاکٹر کی جرات و شجاعت اور بے خوفی نیز اخلاص کو بے انتہا قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

سلام بر سالار شہدا پاکستان

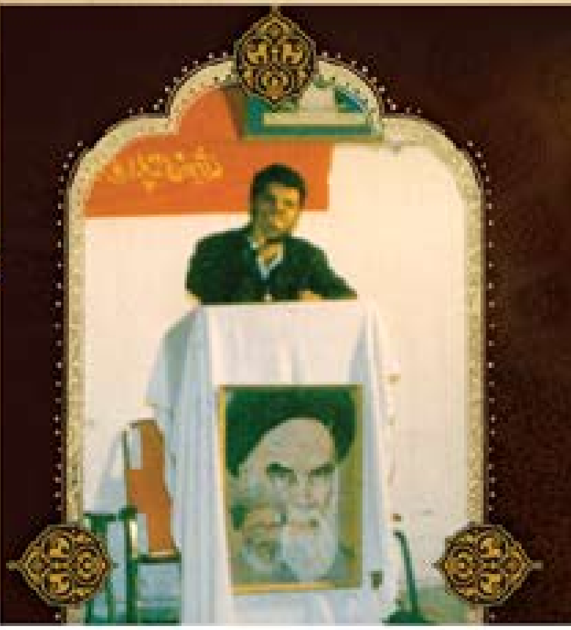

"شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی انقلابیوں کا اسوہ"

بقلم: سید احمد اقبال رضوی

انقلابی بننا آسان ہے لیکن تادم آخر انقلابی باقی رہنا مشکل کام ہے۔ انقلابی شخصیات کے بھی مختلف حالات ہوتے ہیں۔ کچھ شخصیات شروع میں انقلابی ہوتی ہیں، ماحول انہیں انقلابی بنا دیتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حب دنیا اور مادہ پرستی غالب آجاتی ہے کرسی اور منصب کی محبت، عہدے، مال اور دنیا چھن جانے کا خوف اور دشمن کا دباؤ انقلابی فکر اور انقلابی عمل و کردار کی راہ میں مانع بنتا ہے اور انقلابیت کی اس آزمائش میں یہ شخصیت اپنا آپ کھو دیتی ہے اور انقلابی فکر و عمل سے کوسوں دور چلی جاتی ہے اب ممکن ہے وہ بظاہر انقلابی شہرت رکھتا ہو لیکن عملاً اور حقیقتاً انقلاب اور انقلابیت کو خیرباد کہہ چکا ہو۔ اس کی بہت سی مثالیں صدر اسلام سے لیکر انقلاب اسلامی ایران تک ہمیں نظر آتی ہیں۔ امام خمینیؒ کے دست راست سمجھے جانے والے اور انقلاب کے بنیادی ارکان، انقلاب، رہبر انقلاب اور بسیجیوں کا مذاق اڑاتے نظر آئے اور انقلابی خط کو خیرباد کہہ کر شہوات اور دنیا پرستی کی دلدل میں گرفتار ہو گئے۔ ہر انقلاب اور انقلابی نہضت میں ایک ایسا طبقہ ہمیشہ موجود رہا ہے۔ دوسری وہ شخصیات ہوتی ہیں جو انقلابیت سے اپنی انفرادی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز کرتی ہیں، ساری زندگی انقلابی جدوجہد میں صرف کرتی ہیں اور اپنی آخری سانس تک خدا سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کرتے ہوئے انقلابی فکر اور انقلابی راہ پر باقی رہتی ہیں اور اسی راہ پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتی ہیں۔ یہ وہ حقیقی انقلابی ہیں جو مادہ پرستی اور حب دنیا جیسی مہلک بیماریوں سے دور اخلاص، صداقت، حق پرستی اور تقوائے الٰہی جیسی صفات حسنہ سے مزین ہوتے ہیں۔ جن کا ایمان اور بصیرت انہیں چین نہیں لینے دیتا۔ جو ہمیشہ مظلوموں، محروموں اور فقراء کی بے کسی پر تڑپتے ہیں اور ان کی نصرت کیلئے ظالموں اور غاصبوں سے مبارزے میں کسی خوف اور تردد کا شکار نہیں ہوتے جنہیں دنیا فریب نہیں دے سکتی۔ جنہیں عہدے یا مال کی طمع راہ حق اور انقلابی خط سے نہیں ہٹا سکتی۔ ڈاکٹر شہید محمد علی نقوی ان معدودے چند انقلابی شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا آغاز انقلابی فکر و عمل سے کیا اور اپنے خون کے آخری قطرے اور اپنی زندگی کی آخری سانس تک انقلابی رہے اور اسی انقلابی راہ اور خط پر اپنی جان قربان کر دی۔ شہید ڈاکٹر نقوی پاکستان میں انقلابیوں کے ہیرو اور انقلابی کردار کا معیار ہیں، ایک جامع شخصیت، ایک آئیڈیل انسان، ایک مرد مومن، ایک الٰہی انسان جو دین کی سربلندی، انسانیت کی خدمت، وطن عزیز کے دفاع اور ملت جعفریہ کے تحفظ، ترقی اور وحدت کیلئے مسلسل کوشاں رہے۔

قارئین کرام ایک شخصیت کے انقلابی ہونے کے معیارات کیا ہیں کہ اسے پرکھا جاسکے کہ وہ اپنے انقلابی خط پر باقی ہے یا نہیں؟! اور ان معیارات کو

مدنظر رکھتے ہوئے دیکھا جائے کہ ڈاکٹر شہید کس طرح ان معیارات پر تادم شہادت باقی رہے۔ رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای حفظہ اللہ نے اپنی ایک تقریر جو امام خمینیؒ کی ستائیسویں برسی کی مناسبت سے تھی میں ان انقلابی معیارات کو بیان فرمایا تھا۔ رہبر انقلاب نے انقلابی باقی رہنے کے پانچ اصول بیان کئے ہیں جو درج ذیل ہیں: اصول نمبر ۱: اسلام کے بنیادی اصول اور اقدار کی پابندی کرنا: اگر کوئی انسان ان اسلامی اصولوں اور اقدار کی پابندی کرے اور انہیں مشعل راہ قرار دے تو وہ قطعاً انقلابی ہے اور طوفان حوادث بھی اس کو راہ انقلاب سے منحرف نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی اصولوں اور اقدار کو چھوڑ کر نئے راستے پر چل پڑنا یا انقلابیت سے انحراف ہے۔ ڈاکٹر شہید کی زندگی آغاز سے انجام تک دیکھئے شہید اسلامی اصولوں کی پابندی کو اپنا نصب العین سمجھتے تھے اور اقدار اسلامی پر عمل انکی زندگی میں نمایاں طور پر نظر آتا تھا۔ چنانچہ اس دور میں جب الحاد اور مارکسزم اپنے عروج پر تھا ڈاکٹر شہید ملت کے جوانوں کو اسلام کی اعلی تعلیمات اور تشیع کی انقلابی فکر کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ ڈاکٹر شہید کی دعوت اس لئے موثر تھی چونکہ وہ خود اسلام پر عمل پیرا تھے اور پورے ایمان کے ساتھ انقلابی خط پر باقی تھے۔ وہ اپنی اجتماعی زندگی کے آغاز سے ہی ایک اسلامی اور انقلابی نوجوان کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ اصول نمبر ۲: انقلاب کے بلند اہداف کو مدنظر رکھنا اور بلند ہمتی کے ساتھ اس تک پہنچنے کی سعی کرنا: امام حسینؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں: إن اللہ تعالیٰ یُحبّ معالی الأمور ویکرہ سفسا فہا خداوند تعالی بڑے اور اعلی کاموں کو پسند اور پست امور کو ناپسند کرتا ہے۔ انقلابی وہ شخص ہے جو ہمیشہ نصب العین پر نگاہ رکھتا ہے اور اپنے اعلی مقاصد سے صرف نظر نہیں کرتا۔ وہ کبھی مایوس نہیں ہوتا اور اپنی بلند ہمتی کے ساتھ اس نصب العین کے حصول کے لئے سعی، تدبیر اور جدوجہد کرتا ہے۔ کبھی مشکلات کے سامنے سرنڈر نہیں ہوتا اور رکاوٹیں کبھی اس کا راستہ نہیں روک سکتیں چونکہ وہ اپنے قوی ارادے اور ایمان کے ساتھ ہر مانع کو عبور کر لیتا ہے وہ اپنی شرعی ذمہ داری کو نتیجے کی پرواہ کئے بغیر انجام دیتا ہے لہذا نہ وہ " ہے، نہ خوفزدہ ہوتا ہے نہ مایوس ہوتا ہے وہ ہمیشہ متحرک اور فعال نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر شہید کی زندگی دیکھئے کس طرح وہ دین کے اعلی مقاصد کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں۔ امام مہدی عج کے ظہور کے لئے کوشش، عالمی الہی عادلانہ نظام کے لئے جدوجہد ان کا شیوہ تھا۔ اس راہ میں وہ ملک میں اسلامی نظام کیلئے کوشاں تھے، اتحاد بین المسلمین اسی مشن کی ایک کڑی تھی، ملت جعفریہ کو طاقتور بنانا اور اسے علم و ہنر سے مزین کرنا ان کا ایک اہم مشن تھا۔

ڈاکٹر شہید اپنی بلند ہمت مزاج کی وجہ سے ہمیشہ عالی سوچ رکھتے تھے اور قوم و ملت کیلئے ہمیشہ اعلی منصوبہ سازی میں مشغول رہتے تھے۔ اصول نمبر ۳: ملک کے استقلال کی حفاظت کرنا: انقلابی ہونے کا ایک معیار یہ ہے کہ فرد مادر وطن کے استقلال کی فکر میں رہے کہ ملک بڑی طاقتوں کے تسلط سے آزاد ہو، ملک کے استقلال کی حفاظت ایک انقلابی فرد کی ذمہ داری ہے۔ سیاسی استقلال کا معنی یہ ہے کہ دشمن کے فریب میں نہ آئے اور دشمن آپ کے سیاسی نظام میں دخل اندازی اور تسلط حاصل نہ کرنے پائے۔

ثقافتی استقلال یہ ہے کہ آپ کا طرز معاشرت اسلامی ہو اور آپ کے ملک کی ثقافت کے مطابق ہو۔ اقتصادی استقلال یہ ہے کہ آپ کا ملک اقتصادی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو آپ کا نظام دنیا کے اقتصادی نظام میں ہضم نہ ہو جائے

۔ ڈاکٹر شہید کی اجتماعی اور سیاسی جدوجہد کا ایک اہم ترین ہدف ملک پاکستان کا استقلال اور حقیقی آزادی تھا۔ وہ امریکہ کے ملک پر تسلط کے خلاف تھے، پاکستانیوں کو ڈاکٹر شہید نے "امریکہ مردہ باد" کا نعرہ اسی فلسفے کے تحت دیا کہ ہمارا ملک امریکہ کا غلام ہے جسے اس کے تسلط سے آزاد ہونا چاہیے۔ ہمارے فیصلے اسلام آباد میں ہوں واشنگٹن اور ریاض میں نہ ہوں۔ امریکہ کی غلامی پاکستانی مسلمانوں کی تمام مشکلات کی جڑ ہے ڈاکٹر شہید کی شہادت کی اصل وجہ بھی امریکہ سے مبارزہ اور ملک کو امریکی غلامی سے آزاد کروانے کیلئے مسلسل جدوجہد کرنا تھی۔ پس جو افراد اپنے آپ کو انقلابی کہتے ہیں مگر ملک کے استقلال کیلئے کوشش نہیں کرتے وہ ہرگز انقلابی نہیں۔

اصول نمبر ۴: دشمن اور اس کے منصوبوں کے حوالے سے حساسیت اور ان کی پیروی سے اجتناب: قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

:وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (سورۃ النحل ۳۶)

اور بتحقیق ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے اجتناب کرو۔ قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا

(سورۃ الفرقان ۵۲) کافروں کی اطاعت اور پیروی نہ کرو اور ان سے جہاد کبیر کرو۔ انقلابی ہونے کا ایک معیار دشمن شناسی ہے۔ دشمن کے منصوبوں کو سمجھنا اور اسے ناکام بنانے کی کوشش کرنا، دشمن کے ارادوں کے تابع نہ ہونا ہے۔ طاغوت سے اجتناب یا مقابلہ کرنا واجبات میں سے ہے طاغوت یعنی دشمن، دشمن سے ہر حال میں دوری اختیار کرنی ہے اس سے دوستی کرنا یا اس کے فریب میں آنا جائز نہیں۔ دوسرا کافروں کے سیاسی ,سماجی ,ثقافتی ,اقتصادی حوالے سے تابع نہ ہونا جہاد کبیر ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ان سب کا تعلق دشمن شناسی سے ہے جو ایک انقلابی کی علامت ہے۔ دشمن سے دشمنی قرآن کا حکم ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا

(سورۃ الفاطر ۶)

بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے بس اسے دشمن ہی سمجھنا یعنی اسے دوست نہ بنا لینا۔ اس کے منصوبوں اور چالوں سے آگاہ رہو اور مسلسل اس سے برسر پیکار رہو۔ ڈاکٹر شہید محمد علی نقویؒ کی زندگی کا ایک اہم پہلو دشمن شناسی اور مسلسل دشمن کے منصوبوں پر نظر اور اس کے منصوبوں کو ناکام بنانا تھا۔ جہاں وہ ملک دشمن امریکہ کے خلاف برسر پیکار تھے وہاں وہ اسکے حواری اور پٹھو تکفیری دہشت گردوں کے خلاف بھی سرگرم عمل تھے۔ اگر اختصار کے ساتھ یہ کہا جائے کہ ملت کے دفاع میں ڈاکٹر شہید نے کلیدی کردار ادا کیا اور دشمن کے شیعہ نسل کشی کے تمام تر منصوبوں کو ناکام بنایا تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ ڈاکٹر شہید قوم کو دشمن کے منصوبوں سے آگاہ بھی کرتے تھے اور مقابلے کے لئے آمادہ بھی کرتے تھے، امام بارگاہ اور مساجد و مراکز کے دفاع کیلئے لوگوں میں شعور اور آمادگی پیدا کرتے تھے۔ دشمن شیعہ سنی اختلافات ڈال کر فرقہ واریت کے ذریعہ ملک کو عدم استحکام سے دوچار کر رہا تھا تو شہید نے اتحاد بین المسلمین کے لئے اپنی پوری طاقت اور توانائی سے کوشش کیں جو بارآور ثابت ہوئیں۔ آہستہ آہستہ شہید کے یہ کارنامے دشمن کے سامنے آنے لگے تو انہوں نے ڈاکٹر شہید کو راستے سے ہٹانے کیلئے متعدد منصوبے بنائے بالآخر ڈاکٹر شہید کو خدا نے شہادت کے وسیلے سے اپنی ملاقات کا شرف عطا فرمایا۔ اصول نمبر ۵: دینی و سیاسی تقویٰ: انقلابی فرد کی ایک اہم ترین صفت دینی و سیاسی تقویٰ ہے یعنی انسان لغزشوں سے پرہیز کرے جس سے دشمن سوء استفادہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر شہید کا کردار انتہائی پاکیزہ اور تقوائے الٰہی سے معمور نظر آتا ہے ڈاکٹر شہید خلوت اور جلوت میں ایک جیسے تھے۔ عبادات اور دعاؤں سے انہیں خاص شغف تھا، رات کی تاریکی میں خدا کے حضور میں گڑگڑانا، قرآن مجید سے انس اور عملی زندگی میں اس سے رہنمائی لینا، دوستوں سے محبت و شفقت محتاجوں اور فقراء سے ہمدردی، مخالفوں سے چشم پوشی، ان کی زیادتیوں پر صبر، ان کی غیبت سے پرہیز، حب دنیا اور حب جاہ کے بجائے خدائی رضاؤں کے لئے کوشش اور سعی ڈاکٹر شہید کا شیوہ زندگی تھا۔

اپنی سیاسی زندگی میں بھی ڈاکٹر شہید دینداری اور تقویٰ الٰہی کو مدنظر رکھتے تھے کوئی ایسا عمل جس کی دین نے اجازت نہ دی ہو انجام نہ دیتے تھے۔

ان تمام خصوصیات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ پاکستان میں انقلابیوں کے لئے ایک معیار اور اسوہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو آنے والی نسلوں کیلئے مشعل راہ ہیں۔

خدا شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں شہداء کے راستے پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

کچھ یادیں کچھ باتیں

منور حسن (حال مقیم کینیڈا)

برادر نثار ترمذی کے بے حد اصرار پر چند سطریں تحریر کرنے کی جسارت کر رہا ہوں میری ہچکچاہٹ کی وجہ ادب سے ناواقفیت تھی اور بے ادبی کا خوف بھی تھا مگر امر کو فوقیت دیتے ہوئے لکھنے کا ارادہ کیا، چند سطریں ہی سہی کچھ گذرے دنوں کی باتیں۔۔ کچھ یادیں۔۔

جب ہم زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں داخل ہوئے تو وہاں ڈاکٹر شہید کے دوستوں خصوصاً برادر ظفریاب حیدر نقوی نے خصوصی شفقت فرمائی اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس یونیورسٹی سے ہزاروں طلبا نے تعلیم حاصل کی ہے اور آپ کا امتیاز یہ ہونا چاہیئے کہ اچھا انسان بھی بنیں جو معاشرے میں موجود خامیاں دور کرنے میں کوشش کرے شائد یہ سبق تو یاد نہ کر پائے گا مگر انہوں نے ڈاکٹر شہید کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دی اس محبت کی بدولت دل میں ایک تڑپ تھی اور اس انتظار میں رہے کہ ایک دن سے ملاقات ہو ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب زرعی یونیورسٹی میں تشریف لائے مگر ڈے اسکالر ہونے کی وجہ سے انکی زیارت سے محروم رہے کچھ ہی عرصے کے بعد شہید دوبارہ ہماری یونیورسٹی تشریف لائے اور ان سے شرف ملاقات ہوا۔

ہم چند دوستوں کے ہمراہ یونیورسٹی کی کنٹین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ڈاکٹر صاحب گفتگو فرما رہے تھے کہ اچانک دو افراد آئے اور درخواست کی کہ ہمارے مریض کو خون کی اشد ضرورت ہے اور آپ مدد فرمائیں ڈاکٹر صاحب نے دوستوں کو ساتھ لیا اور ہسپتال چلے گئے اور مریض کو خون فراہم کیا اور ہمیں یہ باور کروایا کہ انسانیت کی بلا تفریق مدد کی جاتی ہے ورنہ ہم ایک محدود دائرہ کار میں بند رہتے تھے اسی چیز کو ہمارے عزیز دوست راشد عباس بھی بیان کیا کرتے تھے کہ آئی ایس او ہمیں معاشرے سے isolate نہ کردے۔ یہ بھی تربیت کا انداز ہوتا تھا۔

تقریباً 1989 میں کچھ فراغت کا وقت تھا اور خواہش تھی کہ بلتستان جا کر بچوں کو تعلیمی معاونت فراہم کی جائے ان دنوں تنظیمی سطح پہ جی بی اور بعض دیگر پسماندہ علاقوں میں تنظیم کی طرف سائنس بالخصوص ایف ایس سی کے طلبا کو پڑھانے کیلئے اعزازی طور پہ بھیجا جاتا تھا اس کے لیے برادر ظفر حسین کو آمادہ کیا اور انکے والدین نے اجازت دی کہ میں بھی انکے ساتھ ہوں گا جب جانے سے قبل ڈاکٹر شہید سے لاہور میں ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ یہاں ہمارے ساتھ رہو، کچھ اور کام ہیں اور برادر ظفر حسین کو اکیلے جانا پڑا، جس کے لیے میں بہت شرمندہ ہوا لیکن ڈاکٹر شہید کے ساتھ گزرا ہوا وقت زندگی کا بہترین وقت ثابت ہوا اور بہت کچھ

سیکھنے کو ملا۔

ڈاکٹر شہید اوقات کی بہت خوبصورت تقسیم کرتے تھے ایک مرتبہ انکے ساتھ تھے چند امور نپٹانے کے بعد ہمیں ہمارے شیڈول کے مطابق برادر علی رضا کے پاس چھوڑا اور بتایا کہ میں اپنے شیڈول کا مطابق ہوں تقریبا صبح سے لے کر رات گئے تک ہر لمحہ کا شیڈول پہلے سے طے ہوتا تھا۔وہ وقت کی قدر کرتے تھے اور وقت کو اہمیت دیتے تھے

اسی طرح ایک مرتبہ لاہور سے ڈیرہ غازی خان رات کو سفر کرنے کا موقع ملا تو فرمانے لگے کہ میں تو اڈے سے اڈے تک آرام کروں گا وہ صرف نماز فجر کے وقت اٹھے تھے مجھے معلوم تھا کہ اس سے پہلے والا دن بہت مصروف تھا سفر کے دورانیہ کو اپنے آرام کی ضرورت میں استعمال کیا تاکہ آگے جاکے دیگر مصروفیات میں تھکن غالب نہ آجائے۔

ڈاکٹر صاحب نے ہمیشہ اپنے دوستوں سے مربوط رہتے تھے اور مناسب اوقات میں انکی رہنمائی فرماتے تھے اپنے دوستوں کو ماہانہ بنیادوں پہ ایک خط بھی تحریر کرتے جس میں حالات حاضرہ سے آگاہی اور انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کی طرف سے توجہ مبذول کروائی جاتی

انہی ماہانہ خطوط میں یہ بات باور کرانے کی کوشش کرتے کہ معاشرتی امور مشغول تمام اداروں سے تعاون کریں اور اپنی ذمہ داریوں سے خود آگاہی حاصل کریں اور انہیں انجام دیں اور اس انتظار میں نہ رہیں کہ کوئی آ کر آپ کو اس بارے میں بتائے انکی شدید خواہش تھی کہ ہمارے دوستوں میں اپنے دوستوں کے لیے Selfinitiative کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے کیونکہ وہ Prealvead پلاننگ کے قائل تھے اور اپنے دوستوں کو Reactive کی بجائے Proactive دیکھنا چاہتے یعنی کنوئیں کی بجائے چشمہ بنیں جو مختلف وادیوں سے گزرتا ہوا سیراب کرتا ہے نہ کہ کنوئیں کی طرح Reactive جو اپنی جگہ پڑی رہتا ہے

ایک اور بات جو سمجھاتے تھے کہ Do Not Be Major in Minor Thing یعنی امور کے مطابق انکو اہمیت دو اور اپنے وقت کا بہترین استعمال کرو خصوصا آئی ایس او سے فارغ ہونے والوں کے بارے میں کہتے تھے کہ زندگی کی مصروفیات آپ کو ان امور سے غافل نہ کردیں اور آپ دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر اپنے ماضی پر فخر کرتے رہیں اور حال سے بے خبر ہوں۔

ایک اور بات جو خصوصی طور پر نوٹ کی گئی کہ ڈاکٹر صاحب ہر آدمی سے اس کی صلاحیت اور دلچسپی کے مطابق افراد کی تربیت کرتے تھے اور تمام لوگوں سے انکی ملاقات ہمیشہ مسکراتے چہرے یعنی خندہ پیشانی اور انتہائی خلوص سے ہوتی تھی کہ تمام افراد ان سے تعلق کو دلی طور پر تسلیم کرتے تھے

آخر میں پروردگار سے دعا ہے وہ ہمیں ڈاکٹر شہید کے Vision کو اپنانے میں ہمارے معاون و مددگار

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی، میرا استاد!

سید منیر حسین گیلانی

میں کوئی تنظیمی نہیں، بس چھوٹا سا کاروباری آدمی تھا۔ حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر کے ساتھ میرا مذہبی اور روحانی تعلق پیدا ہوا، جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مزید گہرا ہوتا چلا گیا۔ ان دنوں اسی دینی مرکز میں ثاقب نقوی سے رابطہ ہوا۔ جو مدرسے کی انتظامیہ میں تھے۔ پھر کچھ تنظیمی فعالیت بڑھی تو مجھے تحریک جعفریہ پاکستان کی مرکزی کونسل کا ممبر بنا دیا گیا۔ یہیں ایک دو بلے چلتے پھر تے ڈاکٹر محمد علی نقوی سے بھی رابطہ اسی ملی پلیٹ فارم سے استوار ہوا۔ وقت گذرنے کے ساتھ مجھے سمجھ آیا اور یہ بات آج بھی بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ اپنی زندگی میں ایسا متدین فہم و فراست کا حامل، دانشمند، اور متحرک آدمی میں نے نہیں دیکھا۔ بہت جلد ان سے میری علیک سلیک قربت میں بدل گئی۔ ہم نے ڈاکٹر محمد علی نقوی کے تنظیمی دروس ٹاؤن شپ میں شروع کر دیے۔ درس کے لئے آتے تو ہمدرد چوک میرے گھر بھی ڈاکٹر صاحب کا آنا جانا شروع ہو گیا۔

میں آج بھی دل سے محسوس کرتا ہوں کہ تحریک جعفریہ کو تنظیمی اور سیاسی طور پر جو عروج ملا اس میں بنیادی قوت اور محور بلاشبہ قائد ملت جعفریہ شہید علامہ عارف حسین الحسینی ہی تھے، جن کے گرد تمام تنظیمی نظام چلتا تھا۔ لیکن امت مسلمہ کی بدقسمتی کہ وہ 5۔ اگست 1988 کو شہید کر دیے گئے۔ اس کے بعد تنظیمی اداروں کے اعتماد سے قیادت شہید قائد کے دست راست علامہ سید ساجد علی نقوی کے پاس آئی مگر تنظیمی امور میں بلاشبہ ڈاکٹر محمد علی نقوی کی مشاورت اور جدوجہد کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ تنظیمی مسائل کا حل اور توسیعی منصوبوں میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ وقت گذرتا گیا، ڈاکٹر صاحب کے ساتھ میری قربتیں مزید بڑھتے گئیں۔ جبکہ ان کی تنظیم سازی کے حوالے سے کاوشیں بہت نمایاں ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ علامہ عارف الحسینی کی شہادت کے بعد یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی جگہ متبادل نہ آیا، لیکن شہید ڈاکٹر کی شہادت کے بعد میں ذاتی طور پر محسوس کرتا ہوں کہ ان کا متبادل ہمیں دستیاب نہ ہوا اور تنظیمی ڈھانچہ بکھرنے لگا۔ قائد ملت جعفریہ کی شہادت کے بعد ڈاکٹر صاحب کی شہادت نے مختلف تنظیمات پر منفی اثرات چھوڑے۔ راقم الحروف ان کی مشاورت اور رہنمائی سے سیاسی میدان میں شہید قائد کے دور سے متحرک تھا اور اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی پوری کوشش کی۔ میڈیکل کے شعبے کا ماہر ڈاکٹر محمد علی نقوی خداداد صلاحیتوں کا مالک اور خاتم الانبیاء کا حقیقی عاشق تھا۔ جو پاکستان میں تمام مکاتب فکر کے لئے مسلمہ اسلامی نظام کے نفاذ اور کسی بھی مکتبہ فکر کو نظر انداز نہ کرنے کی بات کرتا تھا۔ ان کی زندگی کے چند اہم واقعات بھولنا میرے لئے ناممکن ہے۔

ہماری بہت سی ملاقاتیں مذہبی اور سیاسی جماعتوں سے اکٹھے ہوتی تھیں۔ میں پیپلز پارٹی کے ابتدائی دور سے ہی سیاسی کارکن ہوں۔ ان دنوں تحریک جعفریہ بھی اپنی سیاست شروع کر چکی تھی تو ہم نے اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے تحریک جعفریہ پاکستان کا پہلا سہہ جماعتی سیاسی اتحاد تحریک استقلال اور پاکستان عوامی تحریک کے ساتھ ہوا۔ جس کے اکثر اجلاس ڈاکٹر طاہر القادری کی میزبانی میں تحریک منہاج القرآن سیکرٹریٹ ماڈل ٹاؤن میں منعقد ہوتے۔ ایک بار ڈاکٹر محمد علی نقوی اور میں ان کے پاس اجلاس کے لئے گئے تو انہوں نے سہہ جماعتی اتحاد کی مختلف جہتوں پر روشنی ڈالی۔ ان کی گفتگو کے دوران ہی ڈاکٹر محمد علی نقوی نے کچھ کہنا چاہا تو ڈاکٹر طاہر القادری نے انہیں روک دیا اور کہا کہ پہلے مجھے بات مکمل کر لینے دیں، اگر کوئی پوائنٹ رہ گیا تو آپ پھر اس میں اضافہ کریں اور پھر ایسے ہی ہوا ڈاکٹر محمد علی نقوی نے اپنی گفتگو میں مزید کچھ تجاویز دیں تو عوامی

تحریک کے سربراہ بہت متاثر ہوئے اور چند ملاقاتوں کے بعد ڈاکٹر طاہر القادری نے اتحاد کے تنظیمی افراد سے کہا ڈاکٹر محمد علی نقوی جو کچھ بھی کہیں ،ان کی تجاویز پر عمل کیا جائے ۔ان کی فکر اور بصیرت متاثر کن باتیں مدلل ہوتی ہیں ۔مجھے حیرت ہوئی کے ڈاکٹر محمد علی نقوی کا تنظیمی تجربہ ان کی سوچ کو ڈاکٹر طاہر القادری نے محسوس کرتے ہوئے تینوں جماعتوں کی مشترکہ تنظیم سازی کا کام ان پر چھوڑ دیا ۔ایک اور خوبصورت واقعہ بیان نہ کرنا زیادتی ہوگی ۔جب ہم نے سیاسی اقدامات کرنا شروع کئے تو میری ملاقاتیں پیپلز پارٹی کے رہنما چوہدری اعتزاز احسن اور خواجہ طارق رحیم سے ہوئیں ۔ان کی خواہش تھی کہ تحریک جعفریہ سے انتخابی اتحاد نہیں سیٹ ایڈجسٹمنٹ کر لیتے ہیں ۔ڈاکٹر صاحب سے مشاورت سے یہی طے پایا کہ ہمیں کچھ بھی فائنل کرنے سے پہلے محترمہ بینظیر بھٹو سے ملاقات کرنی چاہیئے ۔اپنے فیصلے سے ہم نے پیپلز پارٹی کے رہنما سابق صدر مملکت سردار فاروق احمد خان لغاری ،خواجہ طارق رحیم اور احمد سعید اعوان کو مطلع کر دیا کہ حتمی بات چیت کے لئے وہ بے نظیر بھٹو سے ملنا چاہتے ہیں ۔اتفاق ہونے پر ڈاکٹر محمد علی نقوی کے ہمراہ میں کراچی پہنچ گئے اور پیپلز پارٹی کی قیادت کو مطلع کر دیا ہم ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں ۔اس پر پارٹی لیڈروں سے بات چیت مکمل ہوئی ۔سب معاملات پر اتفاق رائے ہوگیا تو طے ہوا کہ ہم محترمہ بینظیر بھٹو سے ملے بغیر کسی چیز کو فائنل نہیں کریں گے ۔کیونکہ جب تک سیاسی ہم کاری کی حتمی منظوری پیپر پرمن بے نظیر بھٹو دنہیں دیتیں ،کوئی تعاون ممکن نہیں ۔وقت طے ہوا اور ہم ملاقات کے لیے پہنچ گئے ۔میں نے جب ڈاکٹر محمد علی نقوی کا تعارف محترمہ بے نظیر بھٹو سے کروایا تو کہنے لگیں !کیا یہ آپ کے بیٹے ہیں ؟ میں نے کہا :نہیں !یہ میرے استاد ہیں ۔ وہ حیرت زدہ ہوئیں ۔بہر حال دونوں جماعتوں کے انتخابی اتحاد کے حوالے سے بات چیت شروع ہوئی ۔اس کی تفصیلات میری کتاب "سیاسی بیداری" میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں ۔پھر بینظیر بھٹو نے فوری فیصلہ کر لیا کہ تحریک جعفریہ اور پیپلز پارٹی انتخابی اتحاد کا حصہ ہوں گی ۔ملاقات کے بعد جب ہم بلاول ہاؤس سے باہر نکلے تو ڈاکٹر محمد علی نقوی نے بینظیر بھٹو کی قوت فیصلہ کو سراہا ۔کہنے لگے بینظیر بھٹو نے ہمارے دلائل کی بنیاد پر سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی بجائے ،انتخابی اتحاد کا فیصلہ فی الفور کر لیا ،اور بات کو ٹال مٹول اور مشاورت کی نذر نہیں کیا ۔پیپلز ڈیموکریٹک الائنس (پی ڈی اے)میں دونوں جماعتوں کے ساتھ تحریک استقلال اور مسلم لیگ (قاسم گروپ) بھی شامل تھیں ۔اور فیصلہ ہوا کہ بے نظیر بھٹو ،علامہ ساجد علی نقوی ،ایئر مارشل اصغر خان ، ملک قاسم بائی روٹیشن آئندہ اجلاسوں کی صدارت کریں گے ۔

جدوجہد کے اس سفر میں ڈاکٹر محمد علی نقوی دو بار گرفتار بھی ہوئے ۔ایک بار امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے نوجوانوں کے احتجاج تو دوسری بار عمائدین ملت کی مداخلت اور تنظیمی دوستوں کے احتجاج سے انہیں رہا کروایا گیا ۔میں ذاتی طور پر محسوس کرتا ہوں کہ حکومت نے غیر ملکی دباؤ میں آکر ڈاکٹر محمد علی نقوی کو قتل کرانے کا منصوبہ بنایا ۔تنظیمی دوستوں اور خاندان کے افراد نے بہت اصرار کیا کہ ان کی زندگی کو خطرہ ہے ،وہ ملک چھوڑ جائیں لشکر جھنگوی کے دہشت گرد آپ کا پیچھا کر رہے ہیں ۔آپ کی جان کو خطرہ ہے مگر وہ خود کہتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ ان کی موت شہادت سے ہی ہوگی ۔ وہ بزدلی کی زندگی نہیں ،یقین کی شہادت چاہتے ہیں ۔تاکہ قافلہ شہداء میں شامل ہوں ۔انہوں نے کئی اور دوستوں اور مولانا صفدر حسین نجفی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات میں بھی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ملک چھوڑ کر ایران عراق جنگ کے دوران میں ایران کی طرف سے شہید ہونا چاہتے ہیں ۔ایک بار ہم بس حادثے میں جاں بحق ہونے والے حافظ آباد کے تحریکی کارکن کی تعزیت کر کے لاہور واپس آرہے تھے تو گوجرانوالہ میں ایک ہوٹل میں کھانا کی میز پر ہم نے یہی بات شروع کی کہ ڈاکٹر صاحب آپ کی جان کو خطرہ ہے ۔آپ بیرون ملک چلے جائیں ۔یہ سنتے ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔وہ کہہ رہے تھے کہ میں شہادت کے لیے اگلے مورچوں پر جانا چاہتا ہوں ۔
میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر محمد علی نقوی کو اپنی شہادت کا کافی عرصے پہلے ہی پتہ چل چکا تھا اور کئی بار کہہ چکے تھے کہ میں شہید کر دیا جاؤں گا ۔اس حوالے سے انہوں نے اپنی وصیت بھی لکھ دی تھی ۔ہم آج بھی ڈاکٹر محمد علی نقوی کو ان کے افکار زندہ کی شکل میں اپنے ساتھ محسوس کرتے ہیں ۔دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ شہید کی روح کو اعلیٰ درجہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو ملت کی خدمت میں اہم کردار ادا کرنے کی توفیق عطا کرے ۔

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی متوازن تنظیمی رہنما!

تحریر: رائے نذیر علی جعفری

ڈاکٹر محمد علی نقوی کا نام میں نے 1991ء میں سنا اور پھر جب ان سے ملاقات ہوئی تو اندازہ ہوا کہ تنظیم میں ریڑھ کی ہڈی اور ہر فن مولا یہ مرد مجاہد کون ہیں۔ ان دنوں دیو سماج روڈ پر واقع آئی ایس او کے مرکزی دفتر میں برادر افتخار علی اعوان کے متبادل کے طور پر آفس سیکرٹری کی ضرورت تھی۔ میں ایف ایس سی کا امتحان دے چکا تھا اور رزلٹ کا انتظار کر رہا تھا۔ میرے بہت ہی محسن برادر ظفر اقبال سرگانہ کی ہدایت پر میرا لاہور آنا ہوا۔ میں شاپر میں ایک سوٹ کے ساتھ لاہور آیا تھا، مگر اب تو لاہور میرا مسکن بن چکا ہے۔ یہاں ایک دبلا پتلا انسان جسے ڈاکٹر محمد علی نقوی کے نام سے پکارا جاتا تھا، ان سے ملاقات دفتر میں ہی ہوئی۔ وہ پیشے کے اعتبار سے تو ڈاکٹر تھے مگر سیاسی اجلاسوں میں تحریک جعفریہ کی نمائندگی کرتے، آئی ایس او کا اجلاس مجلس عاملہ ہو یا ڈویژنل مجلس عمومی، ہر جگہ ان کے لیکچر سننے کو ملتے۔ ان کی زندگی میں توازن نظر آتا۔ وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ ہم ملنے کے لئے کلینک یا دفتر جاتے تو جتنی دیر کی بات ہوتی سنتے، درکار مشورہ دیتے اور پھر فوری پوچھتے: کوئی اور بات تو نہیں۔ ہمارا جواب منفی میں ہونے کی صورت میں فوراً کہتے ٹھیک ہے۔ مجھے اجازت دیں میں کچھ مریض دیکھ لوں یا کہتے مجھے فلاں کام کیلئے جانا ہے۔ میں اجازت چاہوں گا۔ لگتا تھا کہ ڈاکٹر محمد علی نقوی انتہائی مصروف شخصیت ہیں لیکن وہ کارکنوں کے قدردان بھی تھے اور ہمارے ساتھ گفتگو سے لگتا تھا کہ وہ پرانے بے تکلف دوست ہیں۔ لاہور آنے کے بعد ڈاکٹر محمد علی نقوی، راشد عباس نقوی اور علی رضا بھٹی کے ساتھ اچھی قربت رہی اور ان سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا، جو اب زندگی بھر کام آ رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اکثر چھٹی والے دن آئی ایس او کے دفتر اپنے بیٹوں سلمان اور دانش کے ساتھ آتے۔ جب خود کسی اجلاس میں شریک ہوتے تو مجھے کہتے کہ بچوں کو آئی ایس او کی پرانی تصویری البم دے دیں تاکہ وہ تنظیم کی سرگرمیوں کی تصاویر دیکھنے میں مصروف رہیں۔ مجھے پہلی بار سننے کو ملا کہ فقہی مسائل پر مشتمل مجتہد کی کتاب "توضیح المسائل" کی بھی ٹیوشن رکھی جاتی ہے۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی نے اپنے بچوں کے لیے ایران سے حال ہی میں تعلیم مکمل کر کے آنے والے مولانا جعفر حسین کی ڈیوٹی تھی کہ وہ روزانہ شام کو توضیح المسائل پڑھانے ڈاکٹر صاحب کے گھر بھلا سٹاپ ملتان روڈ جاتے۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی قرآنی آیات، احادیث اور موقع کی مناسبت سے مولائے کائنات کے کلام نہج البلاغہ سے کلمات حکمت کا استعمال خوب جانتے تھے۔ جس پر بھی علماء کو ان پر حیرت زدہ اور تعریف کرتے دیکھا۔ وہ اکثر حالات کا تجزیہ کرتے رہتے اور لوگوں سے تبادلہ خیال بھی کرتے، اس کے بعد اپنی اور اپنے ساتھیوں کی شرعی ذمہ داریوں سے بھی آگاہ تھے۔ ان کے بارے میں

مشہور الزام تھا کہ وہ آئی ایس آئی پر قبضہ جمائے رکھتے ہیں۔ خاص طور پر مرکزی صدر اور لاہور ڈویژن کا صدر تو ان کی مرضی سے ہی آتا ہے۔ میں کسی کے منہ سے سنے بغیر محض سنی سنائی باتوں پر رائے قائم کرنے کا کبھی عادی نہ رہا تھا اور نہ ہی ہواوں کا رخ دیکھ کر کبھی نظریات اور وابستگیاں بدلیں۔ اپنی اس عادت کے تحت فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر صاحب کو چیک کرتے ہیں۔ میرے پاس آئی ایس او لاہور ڈویژن کی مسؤلیت تھی۔ نئے ڈویژنل صدر کے انتخاب کے لیے آخری مجلس عمومی کے اجلاس کی تاریخ کا تعین بھی کر لیا گیا تھا۔ زینبیہ کمپلیکس کے بالمقابل ڈاکٹر صاحب کے الزہرا کلینک ملتان روڈ پہنچا۔ ان سے عرض کیا کہ مجلس عمومی آ رہی ہے۔ نئے صدر کا انتخاب ہونا ہے۔ مشورہ دیں کسے صدر بنائیں؟ تو مجھے کہتے ہیں۔ نذیر میاں! آپ کو کیا ہوا ہے۔ ایک اور سال جاری رکھیں۔ میں نے عرض کیا میں ایک ہی عہدے پر ایک ہی شخص کی دوبارہ تعیناتی کے حق میں نہیں اور اسے تنظیم کا بانجھ پن اور قحط الرجال سمجھتا ہوں۔ میں تو دوبارہ اس ذمہ داری کو قبول نہیں کروں گا تو پوچھنے لگے: کابینہ اور یونٹ صدور میں سے کون زیادہ متحرک اور نظریاتی طور پر مضبوط دوست ہیں۔ میں نے کہا کہ عقیل عباس صدیقی، سید زاہد رضا، سلیم عباس گیلانی اور انجینیرنگ یونیورسٹی کے صدر سید فیاض حسین کاظمی اس وقت مجھے بہتر نظر آتے ہیں۔ کہنے لگے تمام اچھے نام ہیں۔ دستور کے مطابق الیکشن کروا دیں۔ اراکین مجلس عمومی جس کے حق میں زیادہ ووٹ دیں اسے صدر ہونا چاہیے۔ یہ کوئی مشکل کام تو نہیں۔ میں نے کہا: آپ کی کسی خاص برادر کے بارے میں بہتر رائے ہو تو بتا دیں۔ کہنے لگے یہی گائیڈ لائن ہے جو بتا دی ہے۔ منتخب ایوان پر اعتماد کریں۔ میرے بعد عقیل عباس صدیقی ڈویژنل صدر بن گئے۔ مجھے تو کہیں ان کے تنظیم پر قبضے کا الزام سمجھ نہیں آیا۔ دہشت گردوں کے ہاتھوں مکتب اہل بیتؑ کے افراد کی شہادت پر دل کڑھتا رہتا تھا۔ ایک بار شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی سے غالباً ہم چار دوست ملنے گئے۔ اسی دن اخبارات میں شورکوٹ بازار میں دہشت گردوں کے ہاتھوں شیعہ دکانداروں کی شہادت کی خبر تھی۔ ہم اس اندوہناک خبر سے بہت رنجیدہ تھے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا۔ ملت جعفریہ کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ہم کب تک قتل ہوتے رہیں گے؟ مجھ سے پوچھنے لگے کیا ہونا چاہیے۔ میں نے کہا کہ کچھ تو ہونا چاہیے۔ تو کہنے لگے: آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں شرمندہ سا ہو کر کہنے لگا کہ میں تو کچھ نہیں کر رہا! بس پڑھ رہا ہوں۔ میرے ساتھیوں سے بھی انہوں نے باری باری یہی سوال پوچھا۔ سب کا وہی جواب تھا جو میرا تھا۔ پھر ہم سب کی طرف متوجہ ہو کر بولے: جب چار بچے کرنے والے یہ سوچنا شروع کر دیں کہ کچھ کیوں نہیں ہو رہا تو یہی کچھ ہو گا جو اس وقت قوم کے ساتھ ہو رہا ہے۔ مجھے ڈاکٹر شہید کے ساتھ مشترکہ بینک اکاونٹ رکھنے کا اعزاز بھی حاصل رہا ہے 'امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان' کے نام سے ڈاکٹر محمد علی نقوی اور میرے دستخطوں سے ڈیوس روڈ لاہور کے نجی بینک میں جائنٹ اکاونٹ کھلوایا گیا۔ یہ بات ہے 1992ء کی ہے، جب میں مرکزی سیکرٹری مالیات کی ذمہ داری پر تھا۔ یہ طے ہوا تھا کہ ہر نیا سیکرٹری مالیات جو بھی آئے گا اس کے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ جائنٹ اکاونٹ پر دستخط ہوں گے اور جو بھی رقم اس میں سے نکلوائی جائے گی مشترکہ دستخطوں سے نکالی جائے گی۔ پہلے تو شاید ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی۔ ہوا یوں تھا کہ سیالکوٹ سے ایک تاجر نے تنظیم کی مالی مدد کے لئے کراس چیک دیا۔ جو کہ آئی ایس او کے نام تھا۔ انہوں نے واضح کیا کہ مطلوبہ رقم صرف اکاونٹ میں ہی جمع ہو سکے گی۔ اکثر ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ڈاکٹر محمد علی نقوی سے ایڈمن بلاک شیخ زید ہسپتال میں ہوتی، وہ وہاں رجسٹرار تھے۔ ہم ان سے تنظیمی اور مالی امور بارے مشاورت کے لئے پنجاب یونیورسٹی ہاسٹل سے ویگن نمبر 4 پر بیٹھ کر شیخ زید ہسپتال جاتے۔ وہ اپنے سٹاف کے ساتھ بھی بہت بے تکلف تھے۔ میں نے قیادت سے احترام کے ساتھ اختلاف رائے بھی ڈاکٹر محمد علی نقوی سے سیکھا۔ تحریک جعفریہ کی مرکزی کابینہ تشکیل پائی تو اس بار انہیں کوئی باقاعدہ عہدہ ملنے کی بجائے ڈاکٹر محمد علی نقوی کو قائد ملت جعفریہ کا مشیر مقرر کیا گیا تھا۔ حالانکہ وہ اکثر تحریک کے جوائنٹ سیکرٹری یا رابطہ سیکرٹری ہوتے تھے۔ میں نے حیرت کا اظہار کیا کہ آپ کی شایان شان عہدہ نہیں دیا گیا۔ تو کہنے لگے۔ اس سے اور زیادہ میرے لیے کیا ہو سکتا ہے۔ ہم جو کام کر رہے

ہیں عہدوں کی ضرورت نہیں۔ اپنی زندگی کے آخری تین سالوں میں ڈاکٹر محمد علی نقوی خاص طور پر 1993ء کے انتخابات میں تحریک جعفریہ کی ناقص حکمت عملی پر نالاں تھے۔ وہ پالیسیوں پر تنقید کرتے اور تجاویز بھی دیتے تھے۔ چند اہم افراد کے ایک اجلاس کی اندرونی کہانی مجھ تک پہنچی کہ ڈاکٹر صاحب نے قائد ملت جعفریہ علامہ سید ساجد علی نقوی سے کہا ہے کہ وہ قیادت چھوڑ دیں۔ اس وقت بھی اور آج بھی قائد کا عاشق ہونے کے ناطے مجھے یہ بات سن کر کافی تکلیف ہوئی کیونکہ ڈاکٹر صاحب ہی قیادت کو سامنے لانے اور تنظیموں کو بنانے والے تھے اور اب کہہ رہے ہیں کہ قیادت چھوڑ دیں۔ یہ میرے لئے کافی تکلیف دہ تھا۔ اس لئے میں شیخ زید ہسپتال پہنچا تو ان سے اس بارے میں استفسار کیا؟ ان کا جواب مثبت میں تھا کہ تحریک نے اپنی سیاسی حکمت عملی بنانے میں کوتاہی کی ہے۔ مرکز کا خود فیصلہ کرنے کی بجائے صوبوں کو فیصلے کا اختیار دینے سے جگ ہنسائی ہوئی ہے۔ کسی ضلع میں تحریک جعفریہ نے مسلم لیگ ن تو کسی دوسری جگہ پیپلز پارٹی کی حمایت کی۔ حتیٰ کہ کابینہ کے ارکان کی سیاسی ہمدردیاں بھی مختلف تھیں۔ ان میں کوئی وحدت اور یکسوئی نظر نہیں آتی تھی۔ میری ان سے قیادت کے حوالے سے گفتگو کچھ یوں ہوئی: میں نے سنا ہے کہ آپ نے قیادت چھوڑنے کا مشورہ دیا ہے؟ میں نے سوال کیا۔ کہنے لگے ہاں کیا ہے۔ لیکن جن حالات میں یہ بات ہوئی وہ شاید آپ کے علم میں نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے میرے سوال کا جواب دیا۔ میں نے کہا کیسے؟ بولے چند مخصوص لوگوں کے غیر رسمی اجلاس میں تجزیہ ہو رہا تھا کہ انتخابات میں مبہم سیاسی پالیسی اختیار کرنے کی وجہ سے تحریک جعفریہ کے حلقوں میں تنقید جاری تھی۔ میں نے قائد محترم سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا ہے۔ یہ ذمہ داری آپ کو لینی چاہیے۔ اور قیادت چھوڑ دینی چاہیے۔ قائد محترم نے برا منایا اور کہنے لگے کہ آپ کون ہوتے ہیں، ہمیں قیادت چھوڑنے کا مشورہ دینے والے؟ میں نے کہا کہ ہم وہ ہوتے ہیں جو آپ کو مدرسوں سے نکال کر سڑکوں پر لانے والے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا۔ میں نے پوچھا: کیا آپ کو لگتا ہے کہ وہ قیادت چھوڑ دیں گے؟ کہنے لگے! نہیں لیکن میں نے جو محسوس کیا اس کا اظہار بھی کر دیا۔ اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ قائد میری بات مان جائیں۔ یہ تو میری ذاتی رائے ہے۔ تو پھر کیا آپ تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لیں گے؟ میں نے پوچھا۔ کہنے لگے نہیں ساتھ رہوں گا اور اپنا کردار ادا کر رہا ہوگا۔ جہاں کوئی مجھے نقص نظر آئے گا اس کی نشاندہی بھی کروں گا۔ تنظیم کا قیام قومی مفاد میں ہے اور اس کے لیے ہم نے بہت محنت کی ہے، ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ ڈاکٹر شہید محمد علی نقوی کے ساتھ میری اس گفتگو کو تقریباً 29 سال گزر چکے ہیں۔ اس وقت ہم فکری اور تنظیمی انتشار کا شکار ہیں۔ نئی تنظیمیں بن چکی ہیں۔ آج کے ذمہ دار برادران اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ مگر فاصلے بہت بڑھ چکے ہیں۔ ہم اپنے اپنے خول میں بند ہیں۔ لیکن ڈاکٹر محمد علی نقوی اپنے آخری سانس تک ملی قیادت کے ساتھ رہے۔ شکوے شکایات تھیں۔ مگر وہ تنظیم اور قیادت کے ساتھ رہے۔ شہید کی نماز جنازہ بھی علامہ ساجد علی نقوی نے پی ایم جی چوک لوئر مال روڈ پر پڑھائی۔ اور ان کا جسد خاکی تحریک جعفریہ کے پرچم میں لپٹا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی شہادت کو آج 28 سال ہونے کو ہیں۔ تنظیمیں منقسم ہو گئیں۔ قیادت سے علیحدگی اختیار کر لی گئی۔ جس پر اپنے دور کے ابوذر پروفیسر خادم حسین لغاری رحمۃ اللہ علیہ سے میری قیادت کے حوالے سے بڑی بحث ہوئی۔ تو فرمانے لگے آئی ایس او والوں نے قیادت کا ساتھ چھوڑ کر خود ڈاکٹر محمد علی نقوی کی فکر سے زیادتی کی۔ کہنے لگے ڈاکٹر شہید ہمارے ساتھی رہے۔ ہم جانتے تھے کہ قیادت کی پالیسیوں کے ناقد تھے، مگر وہ قیادت اور تنظیم کے ساتھ رہے۔ ملی تقسیم کا سوائے ہمارے دشمنوں کے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ڈاکٹر نقوی کے جانشینوں نے علیحدگی کا راستہ اختیار کیا۔ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ قیادت اور جماعت ایک تھی تو شیعہ مضبوط تھے۔ مگر آج کئی قیادتیں اور متعدد تنظیمیں ہیں مگر شیعہ کمزور ہوا ہے۔ بلکہ اب تو تحریک جعفریہ کے مقابلے میں بننے والی تنظیم بھی مزید تقسیم ہو چکی ہے۔ (مضمون نگار۔ آئی ایس او کے مرکزی آفس سیکرٹری، مرکزی سیکرٹری مالیات، صدر لاہور ڈویژن اور مرکزی ڈپٹی سیکرٹری جنرل رہ چکے ہیں)۔۔۔۔۔۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی عہد ساز شخصیت

محسن جعفر

کسی انسان کی زندگی میں رہنمائی بہت اہمیت ہوتی ہے رہنما کا کام راہ دیکھانا ہے اس سے آگے کا سفر مسافر کو طے کرنا ہوتا ہے منزل مقصود پہ پہنچنے کیلئے ہمارے معاشرے میں راہنما نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ یہاں پہ ہر کوئی خود ہی اپنی راہ کی تلاش میں بھٹک رہا ہے شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی میری زندگی کے اولین راہ نما تھے جنہوں نے میری منزل کی سمت کا تعین اس وقت کر دیا جب مجھے نہ اپنی منزل کا پتہ تھا اور نہ ہی اس راہ پہ چل کر یہ نشان منزل ملتا۔

ڈاکٹر صاحب سے میری پہلی ملاقات 1985 میں ہوئی جب میں آئی ایس او لاہور ڈویژن کا فعال رکن تھا اس دور میں جنرل ضیا کی آمریت نے پورے ملک کو اپنے شکنجے میں میں جکڑا ہوا تھا کالجز میں سیاست پہ پابندی تھی اور لوگ اپنے سائے سے بھی ڈرتے تھے انقلاب ایران سے متاثر آئی ایس او کے نوجوان بلا خوف ایسا کام کر رہے تھے شاید یہ جنرل ضیا کی سیاسی حکمت عملی تھی کہ اس نے اپنے دور میں لسانی اور فرقہ وارانہ تنظیموں کو کام کرنے کی کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔ آئی ایس او تحریک نفاذ کو یہ فائدہ ہوا کیونکہ حکومت کے نزدیک پہ دونوں تنظیمیں فرقہ وارانہ پس منظر رکھتی تھیں تاہم حقیقت میں نہ آئی ایس نہ ہی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ فرقہ پرست تنظیمیں تھیں مجھے ان کا ماحول بہت ہی لبرل لگا میرے اندر کا ایکٹیوسٹ اندر سے مطمئن محسوس کرنے لگا اس ماحول میں ڈاکٹر محمد علی نقوی سے پہلی ملاقات ہوئی دیو سماج تحریک نفاذ فقہ جعفریہ جو کہ بعد میں تحریک جعفریہ کے نام سے مشہور ہوئی کے دفتر پہ ڈاکٹر صاحب ثاقب اکبر اور دیگر علما باقاعدگی سے موجود ہوتے۔ آہستہ آہستہ ڈاکٹر صاحب سے قربت ہوئی تو ان کے ذریعے کئی اسرار کھلتے چلے گئے

ڈاکٹر صاحب بلا کے فیصلہ ساز اور قوت ارادی رکھنے والے شخص تھے 1986 میں تحریک اور آئی ایس او کی تنظیمی سرگرمیاں عروج پہ تھیں ہر اہم قومی اور بین الاقوامی مسئلے پہ ہمارے کارکن مظاہرے کیلئے لاہور کی سڑکوں

ماہنامہ الافکار المعارف لاہور

مارچ 2023

پر نکل آتے لیکن کسی سرکاری یا نجی املاک کو نقصان پہنچانے سے مکمل گریز کیا جاتا تھا

1986 میں سانحہ کوئٹہ ہوا تھا جس کے اور بہت سے بے قصور کارکنوں کو گرفتار کیا گیا تب بے قصور کارکنان کو رہا کرانے کیلئے کوئٹہ کے لانگ مارچ کا اعلان کیا گیا اس وقت آئی ایس او کا مرکزی سیکرٹری نشر و اشاعت تھا اور حسین گردیزی صاحب مرکزی صدر تھے ڈاکٹر صاحب نے میرے ذمے اجتماعی پوسٹر اور اسٹیکر کی ذمہ داری لگائی اور کہا کہ آج شام تک چھپوا کر دفتر میں آجائیں اور کوئی پیسے بھی نہیں دیئے ان کا کہنا تھا کہ جاؤ اور کسی بھی طریقے سے یہ پوسٹر چھپوا کر لاؤ میں حیران و پریشان پوسٹر کا مواد لے کر نکلا مجھ پر کیا بیتی کہ ایک الگ داستان ہے جو اگر لکھنے بیٹھوں تو ایک الگ کتاب بن جائے گی بہر حال خدا کا شکر کہ شام کی نماز عشا کے وقت پوسٹر اور دوسرا مواد چھپوا کر ملتان روڈ پر آئی ایس کے مرکزی دفتر پہنچ گیا اس عمل کا فائدہ یہ ہوا کہ میں پیپر وغیرہ کی خریداری کے عمل اور پرنٹنگ کے پراسس سے ایک ہی دن میں پوری طرح واقف ہو گیا ڈاکٹر صاحب کی تربیت کا انداز ہی یہ تھا مجھے یاد ہے کہ اسی دوران ڈاکٹر صاحب نے مجھے

کہا تم اخبار کیلئے آرٹیکل لکھا کرو میں ان کے کہنے پر آزادی کشمیر کے حوالے سے ایک آرٹیکل لکھا اور اپنے ایک مرحوم استاد کلیم صاحب کی مدد سے اسے اخبار مشرق اخبار میں چھپوایا مجھے یاد ہے کہ میں جب اخبار لے کر ڈاکٹر صاحب کے پاس آیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے مجھے 1989 میں اس وقت پانچ سو روپے انعام دیئے یہی حوصلہ افزائی آگے چل کر مجھے بطور صحافی اپنا پیشہ اختیار کرنے میں کام آئی 1992 میں اسلام آباد میں کشمیر کے حوالے سے ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا کہا وہ یادگار سفر اور ان کی رفاقت آج تک مجھے یاد ہے

زمانے کے ساتھ ساتھ میرا اور ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات بڑھتی گئیں لیکن اس کے باوجود ان کی موجودگی کا احساس ہمیشہ وقت رہتا تھا ان کی شہادت کی خبریوں لگی کہ جیسے میں ایک بار پھر سے یتیم ہو گیا ہوں ان کی نماز جنازہ کے عظیم اجتماع میں جو لورمال روڈ پر پی ایم جی آفس کے سامنے تھا میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا میرے بعض صحافی دوست کوریج کرنے کیلئے موجود تھے حیران ہوئے کسی نے پوچھا کہ آپ کے رشتے دار تھے میں نے اسے دل میں جواب دیا کہ احساس کے رشتے خون کے رشتوں سے بھی مضبوط ہوتے ہیں

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی کرشماتی شخصیت

جمال اصغر کراچی

بلاشبہ ڈاکٹر محمد علی نقوی کی شخصیت ملت جعفریہ پاکستان کیلئے شہید مصطفٰی چمران اور شہید سلیمانی سے کم نہ تھی وہ ایک شجاع راہ نما، کارکن، غمگسار دوست، مدبر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کردار ساز شخصیت کے مالک تھے۔ غرور و تکبر سے بے پرواہ انکساری میں اپنی مثال آپ تھے ہمیشہ عامیانہ لباس زیب تن کرتے، میں نے کبھی انکے دو تین جوڑوں سے زیادہ نہیں دیکھے ہاں سردیوں میں ایک کوٹ نما بگزین کی جیکٹ کا اضافہ ہو جاتا۔

اگرچہ ڈاکٹر صاحب ہر مہم کو لیڈ کرتے مگر ہر موقع پر عام کارکنوں کے ساتھ نچلی سطح پر عملی طور پر شامل دکھائی دیتے۔ اکثر صفائی ستھرائی کے کاموں میں بھی شامل ہو کر دوستوں کا مورال بلند کرتے تاکہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں مشکل سے مشکل حالات میں جوانمردی سے صف اول میں شامل ہو کر رہنمائی کرتے اور جرات و کرداری کی مثال قائم کرتے جو برادران کے لئے باعث حوصلہ و توانائی ہوتی۔ یہ ہی نہیں بلکہ اہم و مشکل مراحل میں بزرگ علما

ڈاکٹر صاحب کی دوربین نگاہوں کو ملت کی مستقبل کی مشکلات کا بخوبی اندازہ تھا پیش بندی کی خاطر ملت کے مختلف طبقات کو متحرک کرنے میں مشغول رہتے کبھی ڈاکٹروں کو تو کبھی وکیلوں کو جمع کرتے۔ دیوسماج روڈ پر اسطرح اجلاس اکثر منعقد ہوا کرتے۔ وہ ایک ماہر جوہری کی طرح ملت کے بکھرے ٹیلنٹ کو ایک ڈوری میں پروتے نظر آتے تاکہ انکی صلاحیتوں کو مناسب پلیٹ فارم میسر آسکے اور ملت کیلئے باعث استفادہ ہوں۔ اس تحریر میں ڈاکٹر محمد علی کی کرشماتی شخصیت کا احاطہ ناممکن ہے انکی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ میں مختصراً ایک ایسے واقعہ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس سے بہت کم لوگ آگاہ ہیں۔

یہ جنرل ضیا کا دور سیاہ تھا جب مارشل لا کے ظلم کے خلاف زبان کھولنے و مخالفت پر فوجی عدالتیں قید و بند کہ سزائیں سناتیں اور سر عام کوڑے مارے جا رہے تھے ہر طرف خوف و ہراس کا عالم تھا سید عارف حسین الحسینی تازہ تازہ قائد منتخب ہوئے تھے ایسے میں جنرل ضیا نے غیر قانونی اقدامات کو قانونی جواز فراہم کرنے کے لئے ریفرنڈم کرانے کا اعلان کیا کہ اگر محب وطن پاکستان ہو تو ہاں پر مہر لگاؤ اور ہاں کا مطلب یہ تصور ہوگا کہ جنرل ضیا دس سال کے لئے ملک کے سربراہ ہو گئے۔

اس ریفرنڈم کی مخالفت پر جیل و کوڑوں کی سزاؤں کا حکم بھی جاری ہوا ڈاکٹر صاحب نے لاہور میں موجود قریبی ساتھیوں سے مشورہ کیا اور اسکے بعد شہید قائد جو اس وقت پشاور میں موجود تھے فون پر رابطہ کیا اور احباب کی رائے سے آگاہ کیا کہ ہمیں اس غیر قانونی ریفرنڈم کی جم کر مخالفت کرنا چاہیے۔

قائد محترم نے رائے کی تائید کی اور عملی اقدامات کی تاکید کی یہ غالباً بدھ کا دن تھا ایک مختصر سا آٹھ دس نکاتی ہینڈ بل تحریر کیا گیا جسکا لب لباب یہ تھا کہ یہ ریفرنڈم غیر آئینی، غیر قانونی اور غیر شرعی ہے لہذا ملت جعفریہ پاکستان اسکی بھرپور مخالفت کرتی ہے اور عوام سے اس آئین شکن اقدام کے بائیکاٹ کا مطالبہ کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فون پر قائد شہید سے ہر نقطے کی منظوری حاصل کی۔ ہینڈ بل کا میٹر تیار ہو گیا اور خاموشی سے کتابت و پرنٹنگ کی پلیٹیں وغیرہ تیار کرائی گئیں اور مارکیٹ سے کاغذ بھی اٹھا لیا گیا مگر مسئلہ یہ درپیش تھا کہ کوئی پریس حکومتی خوف سے ہینڈ بل چھاپنے کو تیار نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے

جگہ جگہ کوشش کی مگر کوئی تیار نہ ہوا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور ملک بھر میں بینڈ بل جمعہ میں تقسیم ہونا تھا صرف جمعرات کا دن باقی تھا اور ابھی پرنٹنگ اور ملک بھر میں ترسیل کے مراحل باقی تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی قیادت میں تین موٹر سائیکلوں کا یہ مختصر قافلہ کاغذ کے بڑے بڑے بنڈل اٹھائے مختلف پریس کے چکر لگا تا رہا مگر چھاپنے کو کوئی تیار نہیں تھا۔ رات کافی بیت چکی تھی ایسے میں ڈاکٹر صاحب نے ایک ترکیب لڑائی ، جب تقریباً تمام دوکانیں بند ہو چکی تھی ایک نیم خواندہ پریس کے مالک جو ابھی دوکان بند کرنے کی تیاری کر رہا تھا سے کہا بھائی یہ چھوٹا سا کام ہے کر دو اس نے پوچھا میٹر کیا ہے؟ ملک اعجاز نے فوراً جواب دیا او یار مجلس دے اشتہار نے وہ کچھ اضافی رقم پر چھاپنے پر راضی ہو گیا فوراً چھپائی شروع ہو گئی۔

رات آدھی گزر چکی تھی ہر طرف رات کا سناٹا چھایا ہوا تھا ابھی کوئی دس بارہ ہزار اشتہار ہی چھپے ہو نگے کہ پریس مالک سگریٹ سلگاتے ہوئے ایک اشتہاری پرچہ ہاتھ میں لئے دوکان کے تھڑے پر سُستانے کے لئے آ کر بیٹھ گیا اور نیم غنودگی کے عالم میں غور سے اشتہار پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔

پھر کیا تھا اچھل کر کھڑا ہو گیا اسکے منہ سے گویا جھاگ نکلنے لگی ،خوف کے عالم میں اٹھا اور دوکان کا شٹر گرا دیا اور غصے سے چیخنے لگا اٹھا و یہ بکواس جلدی سے اور دفعہ ہو جاؤ بڑی منتیں کیں کہ بھائی تھوڑا کام باقی رہ گیا ہے مگر اس نے ایک نہ سنی ،صورتحال کی نزاکت کے پیش نظر بغیر کٹے اشتہاروں کے بنڈل تین موٹر سائیکلوں پر اٹھا کر تحریک کے دفتر لائے گئے اور دفتر میں چھریوں کی مدد سے اشتہاروں کی کٹائی کا انجام پایا جو کہ کافی وقت طلب تھا اور یہ مختلف شہروں کو ہفتے کے روز روانہ کر دیے گئے تا کہ جمعے کے روز تقسیم ہو سکیں۔

اس موقعے پر ڈاکٹر محمد علی نے مجھے قریب بلایا اور کہا کہ جمال بھائی سندھ میں اشتہار پہنچانا آپکی ذمہ داری ہے دو بوریاں سندھ کراچی کیلئے تیار کی گئیں ۔ میں نے کچھ بنڈل علیحدہ سے تیار کر لیے شام چار بجے کی ٹرین میں مجھے لاہور سے کراچی کیلئے سوار کر دیا گیا بوریاں درجہ دوئم کے ایک ڈبے میں سیٹ کے نیچے قلی حضرات کی مدد سے فٹ کر دیں میں خود احتیاطاً دوسرے ڈبے میں سوار ہو گیا اور ہر اسٹیشن پر جا کر کھڑکی سے بوریوں پر نظر رکھتا

روہڑی اسٹیشن پر ایک نارووالی شیخ صاحب کا ایک اسٹال ہے شیخ صاحب سے ڈاکٹر صاحب کے پرانے مراسم تھے۔ انہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا اللہ اللہ کر کے گاڑی فجر کے وقت روہڑی پہنچی میں نے بنڈل شیخ صاحب کے حوالے کیا تا کہ جمعے کو سکھر میں تقسیم کیے جائیں اگلا اسٹیشن تھا خیر پور میرس وہاں ایک مومن کا چائے کا اسٹال تھا میں نے خیر پور کا بنڈل حوالے کیا اور گاڑی روانہ ہو گئی

گمبٹ میں گاڑی کا اسٹاپ نہیں تھا مگر سگنل نہ ہونے کی بنا پر گاڑی وہاں رکی میں بھاگم بھاگ اسٹیشن سے باہر گیا۔ صبح سویرے کا وقت تھا ایک تانگے والا کھڑا مل گیا۔ ایک بنڈل اسکے حوالے کیا اور کہا کہ یہ امام علی شاہ صاحب کو پہنچا دے اس زمانے میں گمبٹ کوئی بڑا شہر نہ تھا امام علی شاہ معروف شخصیت تھے خوش قسمتی تانگے والا امام علی شاہ کا مرید نکلا میں فوراً بھاگ کر واپس گاڑی میں سوار ہو گیا۔ حیدر آباد میں امامیہ احباب اسٹیشن پر آ گئے اور اپنا بنڈل وصول کر لیا

اب تقریباً 11 بجے گاڑی کراچی پہنچی عزا خانہ زہرہ میں آئی ایس او کے برادران پہلے ہی سے ڈبل روٹی کاٹنے والی چھریاں تیار کیئے بیٹھے تھے اشتہار کاٹے جاتے اور بنڈل شہر کے مختلف جامع مساجد کو روانہ کر دیے گئے

اس پورے واقعہ کی ایک اہم بات یہ تھی کہ چھپائی سے اگلے ہی روز لاہور میں MRD کا اجلاس نوابزادہ نصر اللہ خان کی قیادت میں جاری تھا اور ریفرینڈم سے متعلق خوب بحث جاری تھی کہ اشتہار کی ایک کاپی نوابزادہ صاحب کو پہنچا دی گئی انہوں نے اجلاس روک کر موجود لیڈروں سے تاریخی جملے ادا کئے کہ دیکھو یہ ہوتی ہیں زندہ قومیں عارف حسین صاحب نے بائیکاٹ کا اعلان بھی کر دیا اور ہم ابھی تک فیصلہ نہیں کر پا رہے

آج جب نثار بھائی نے ڈاکٹر صاحب سے متعلق لکھنے کا حکم دیا تو ماضی کے جھروکوں میں جھانکتا ہوں اور سوچتا ہوں

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

آسمانِ انقلاب کا ماہتابِ کامل
شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ

انجینئر سید اطہر حسین زیدی

یادِ رفتگاں

ملک عزیز پاکستان میں، گو کہ بہت سی مقامی تنظیمیں اور انجمنیں روایتی انداز میں مصروفِ عمل تھیں، لیکن جب بہار انقلاب اسلامی کے تر و تازہ جھونکے نے دستک دی تو اس تناظر میں ملت تشیع کی تعمیر و ترقی کو تقویت ملی اور خالص دین اسلام سے روشناس ہونے کا زمینہ فراہم ہوا۔ لہٰذا ایسے میں دین شناس، انقلاب شناس اور روشن دماغ قوتیں منتقلب ہو کے قوم کی بیداری کے لئے آمادہ ہو گئیں۔ انہی میں ایک قوت کا نام ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید ہے۔

اعتراف و ندامت:

امجد جدائیوں کی یہ تمہید تو نہیں
لہجوں میں پھر ملال سا آیا ہوا تو ہے

سچ یہ ہے کہ ڈاکٹر شہید کے ساتھ مجھ حقیر پر تقصیر کا ربط زیادہ گہرا نہیں رہا ہے۔ میں کبھی بھی شہید کے صفِ اول کے ساتھیوں میں اپنے آپ کو شمار نہیں کر سکتا بلکہ اپنی کم علمی و بے مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے نادم بھی ہوں کہ تقریباً دس سال (۱۹۸۳ تا ۱۹۹۲) محترم شہید سے کسی حد تک متصل ہو کر بھی جو کسب فیض کرنا چاہیے تھا وہ نہیں کر پایا۔ ناچیز کی مثال ریاضی کے صفر کی طرح ہے۔ جس کی اپنی کوئی قیمت نہیں لیکن جب وہ کسی کے ساتھ جڑ جائے تو اپنی قیمت بھی کئی گنا بڑھا لیتا ہے۔

یادوں کے چراغ:

برادر محترم نثار ترمذی صاحب نے ترغیب دی کہ بندہ ناچیز کچھ نہ کچھ ڈاکٹر شہید کے بارے میں اپنی یادداشتیں تحریر کرے۔ ایک ادنیٰ سے پیروکار، مداح اور طالب علم کی حیثیت سے "نقش پا کچھ رفتگاں کے، خاک پر محفوظ ہیں" کے مصداق، واقعات تحریر کرنے کی سعی کر رہا ہوں اور دوست احباب سے گذارش بھی کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں اگر کوئی غلطی ہو تو تصحیح فرمائیں۔

وہ بات بہت آگے ہے صاحب کے گماں سے
ہر بات کہاں ہوتی ہے لفظوں کی زباں سے

آج سے تقریباً تیس سے چالیس سال پہلے کی یادوں کو اکٹھا کرنا بہت محال لگ رہا تھا۔ لیکن ڈاکٹر شہید کی ذات والا صفات نے ایک دفعہ پھر جیسے کہا ہو" اطہر، چاق و چوبند ہو جاؤ اور تیز رفتاری کے ساتھ یہ کام کرو، میں منتظر ہوں"۔

یوں خیالوں کی تصویر قرطاس پر، کیسے بن پائے گی؟
لفظ کھو جائیں گے فن کی باریکیاں، ڈھونڈتے ڈھونڈتے

ڈاکٹر شہید کی زندگی ملت تشیع پاکستان کی ایک بیدار مغز، منتقلب، پر اثر، سرایت و پیوست ہو جانے والی ایک جاذب شخصیت تھی۔ آپ کے بارے میں بہت سے تنظیمی اور علمی افراد نے اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے تحریریں اور

ادب پارے صفحہ قرطاس پہ منتقل کیے ہیں۔ اس حوالے سے میں نے برادر ثاقب اکبر، برادر راشد نقوی اور برادر تسلیم رضا کی کتابیں نظر سے گزاریں اور اپنے افکار کی تازگی کے لئے بارش کے بعد سوندھی خوشبو محسوس کی۔

انجینیرنگ یونیورسٹی لاہور:

امامیہ مسجد واقع زیر ہال انجینیرنگ یونیورسٹی لاہور آئی ایس او کے پروگرامز کا بہت بڑا مرکز رہا ہے۔ راقم الحروف ۱۹۸۳ میں یونیورسٹی میں داخل ہوا اور امامیہ مسجد میں ہونے والے مباحثے، مذاکرے، سیمینارز، دروس اور ملی سطح کے پروگرامز میں شرکت کا موقع ملا۔

انہی پروگرامز میں ڈاکٹر شہید سے ملاقاتوں کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ ڈاکٹر شہید کو انجینیرنگ یونیورسٹی کے ممبران سے ایک خصوصی لگاؤ تھا۔ اس کی چند ایک وجوہات یہ تھیں کہ یونیورسٹی کے وسائل دوسرے یونٹس کے مقابلے میں زیادہ تھے جن میں ہوسٹلز میں مقیم طلباء کا وقت، انتظامیہ سے ٹرانسپورٹ کی فراہمی، طلباء کی شعوری پختگی، فنڈز کا میسر ہونا، شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۸۷ تک سات مرتبہ مرکزی صدور انجینیرنگ یونیورسٹی سے منتخب ہوتے رہے۔

دوسرے پروفیشنل اداروں کی طرح ڈاکٹر صاحب کا خاص دست شفقت آئی ایس او یو ای ٹی ممبران پر قائم رہتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی کوشش ہوتی تھی کہ ملی سطح کے پروگرامز میں یونیورسٹی کے ممبران کی شرکت کو یقینی بنایا جائے۔

جب بھی ملکی سطح پر پروگرامز منعقد ہوتے تو ہم لوگ مرکز اور ڈویژن کے آفس جا کر دوسرے ساتھیوں کا ہاتھ بٹاتے۔ اسی پس منظر میں لاہور ڈویژن اور مرکزی کابینہ میں آئی ایس او انجینیرنگ یونیورسٹی کے ممبران کو زیادہ سے زیادہ شامل کیا جاتا رہا نیز خاکسار کو بھی دو بار مرکزی کابینہ میں کام کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ انجینیرنگ یونیورسٹی کے قیام کے دوران ڈاکٹر شہید کی رہنمائی میں جو اہم واقعات مشاہدے سے گزرے، ان کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

- سارا سال منعقد ہونے والے پروگرامز مثلاً یوم القدس، خانہ فرہنگ، جامعۃ المنتظر میں منعقدہ تنظیمی پروگرامز، ملک گیر انقلاب اسلامی کی برسی اور لاہور شہر میں مختلف مواقع پر مظاہروں میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ممبران کی شرکت لازم ہوا کرتی تھی۔

- ۱۹۸۴ میں جب حجۃ الاسلام والمسلمین عارف حسین الحسینی کا انتخاب ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے لاہور میں آپکے استقبال کے لئے بھرپور تیاریاں کیں جس میں آئی ایس او کے ممبران نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان تیاریوں میں ڈاکٹر صاحب کا جوش وخروش دیدنی تھا۔
- ۱۹۸۴ میں جارج بش اول نے پاکستان کا دورہ کیا جس کے استقبال کے دوران آئی ایس او کے ممبران نے ڈاکٹر صاحب کی سرکردگی میں ڈاؤن ود یو ایس اے کے نعرے لگائے جس کے نتیجے میں طلباء کی گرفتاریاں بھی ہوئیں تاہم پولیس ڈاکٹر صاحب کو گرفتار نہ کر سکی۔
- یونیورسٹی میں قیام کے دوران آئی ایس او مرکزی آفس واقع ۱۳۶ اچھلا سٹاپ ملتان روڈ جانا ہوتا تھا جہاں قریب ہی ڈاکٹر صاحب کی رہائش گاہ بھی تھی۔ رات کو دفتری کام میں مصروف رہتے۔ اسی گھر کے ایک کمرے کو ڈاکٹر صاحب نے کلینک بنایا ہوا تھا جہاں مریضوں سے زیادہ تنظیمی افراد کا رش لگا رہتا تھا۔ شہید، رات کو دو تین بجے تک، مختلف میٹنگز میں مصروف رہتے تھے۔ آئی ایس او کے دوست احباب اپنا کام کر کے سو جاتے اور ڈاکٹر صاحب عین اذان فجر کے وقت آتے اور ہم سب کو اٹھا دیتے اور نماز فجر کی تیاری کے لئے کہتے۔ جماعت بھی کرواتے تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ رات کے کس پہر وہ سوتے ہوں گے۔
- مومنین اور تنظیمی افراد کے ذاتی مسائل کی طرف بہت متوجہ ہوتے تھے۔ حتی الامکان برادران کو پریشانیوں کے دلدل سے نکالنے کی بھرپور کوشش کرتے۔ بیرون لاہور مختلف شہروں میں مکین دوست احباب کے گھروں تک پہنچتے اور انکی خوشی غمی میں شریک ہوتے۔ آپ نے بہت سے دوستوں کی شادیوں میں بھی شرکت فرمائی اور جہاں جاتے اس محفل کو دینی اور تنظیمی رنگ میں رنگ دیتے۔ ۱۹۸۵ میں ایک ایکسیڈینٹ میں، میں بھی اپنے گھر چنیوٹ میں صاحب فراش تھا۔ آپ اور چند دوسرے

ساتھی تشریف لائے، تیمارداری کی اور تنظیمی برناموں پر گفت وشنید کی۔

- آپکی رہنمائی میں تعلیمی کیریئر کے عنوان سے انجینیرنگ یونیورسٹی لاہور میں ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں ان شعبوں کی نشاندہی کی گئی جن کی طرف ملت تشیع کے نوجوان ناواقف تھے۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ پاکستان کے کسی شعبے کو تشنہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ وہ تشیع کی تعمیر وترقی ہر شعبے میں یقینی دیکھنا چاہتے تھے۔
- فرط محبت وعطوفت میں جب دوست احباب آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کی دست بوسی کرنے کی کوشش کرتے تو آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی پشت کی جانب لے جاتے، ایسا کرنے سے منع فرماتے اور اپنے آپ کو اس قابل نہ سمجھتے۔
- تحریک جعفریہ اور آئی ایس او کی مصروفیات کے باعث آپ نے یو این او کی ایک پرکشش آفر ٹھکرادی۔

- چونکہ امریکہ نے اسرائیل کو تسلیم کیا تو قائد محترم عارف حسین الحسینی کی انقلابی قیادت آتے ہی ان کے حکم پر ۱۶ مئی ۱۹۸۶ کو پہلا یوم مردہ باد امریکہ منانا قرار پایا اور ڈاکٹر صاحب نے اسے یقینی بنانے کے لئے اس کی تشہیر میں پیش پیش رہے۔ بطور اسلام دشمن قوت کے امریکہ سامراج کے خلاف آپکی شخصیت ایک منفرد شناخت بن کے ابھری اور استعماری حکومتوں کی آنکھوں میں آپ کھٹکنے لگے۔
- ۱۹۸۶ میں رہبر معظم سید علی خامنائی بطور نمائندہ امام خمینی لاہور تشریف لائے تو ان کے استقبال کی تیاریوں میں بھرپور شرکت کی جس میں یونیورسٹی کے ممبران نے نمایاں کردار ادا کیا۔
- ۱۹۸۷ میں جب امام خمینی نے حج کے موقع پر برائت از مشرکین منانے کا اعلان کیا تو ڈاکٹر صاحب نے پاکستان میں حج سیمینارز منعقد کروائے جس میں ہم ممبران نے بھرپور شرکت کی اور ان سیمینارز میں عوام کو انقلاب دشمن قوتوں سے آگاہ کیا گیا جن میں شیعہ سنی علماء نے بھی اپنی موجودگی یقینی بنائی۔ یہ سیمینارز اتحاد بین المسلمین کی ترویج کا باعث بنے۔
- ۱۹۸۷ میں انقلاب اسلامی کو روشناس کروانے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے ایک ایرانی طالب علم کو بطور سفیر اور مجھے بطور مترجم بھکر کے نواحی علاقوں میں بھیجا اور کہا کہ جو کچھ آپکو انقلاب کے بارے میں معلوم ہے وہی ایرانی طالب علم کی تقریر کا ترجمہ کر ڈالیں تاکہ انقلاب اسلامی کا پیغام دور دراز علاقوں تک پہنچ جائے۔
- ۱۹۸۸ میں جب ایرانیوں پہ حج کی پابندی لگی تو ڈاکٹر صاحب نے امام خمینی کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے قائد محترم کی رہنمائی میں فیصلہ کیا کہ ایک قافلہ یہاں سے حج پہ جائے اور وہاں جا کر برات از مشرکین کا نعرہ بلند کرے۔ کعبہ میں امریکہ سامراج کے خلاف اذان بلند کرنے کے جرم میں پابند سلاسل ہوئے۔ اسی سال امام خمینی کے حکم پر ایران عراق جنگ میں شمولیت بھی اختیار کی۔ اس حوالے سے مختلف دروس میں حاصل ہونے والے نتائج پر گفتگو فرماتے۔
- ۱۹۸۸ میں، میں نے اپنے کیریئر کا آغاز ونڈ ٹاؤن ضلع جہلم سے کیا اور تونڈ ٹاؤن ہاسپٹل کے سٹاف نے بتایا کہ گورنمنٹ نے یہاں لاہور کے ایک معروف سپیشلسٹ ڈاکٹر کا ٹرانسفر کیا تھا جو نہایت سرعت سے آتے، موجود مریضوں کو چیک کرتے اور پھر اپنے تنظیمی کاموں میں مصروف ہو جاتے تھے۔
- اسی طرح جب ریڈ کراس کی طرف سے کالاباغ میں انکی تعیناتی ہوئی تو میری کمپنی کے مالک نے مجھ سے گزارش کی کہ وہ ڈاکٹر صاحب کو اپنا بچہ دکھانا چاہتے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب زیادہ تر تنظیمی کاموں میں مصروف ہوتے ہیں لہذا آپ ان سے میری سفارش کر دیں۔ دراصل ان کے کالاباغ

سے لاہور اور دیگر شہروں کے تنظیمی سفر جاری وساری رہتے۔

▯ ۱۹۸۹ میں جب ہاشمی رفسنجانی لاہور تشریف لائے تو ناصر باغ لاہور میں مفکرین، صحافیوں اور معززین لاہور کے ساتھ معزز مہمان کی ایک ملاقات طے تھی جس میں بطور خاص آپکو بھی بلایا گیا تھا۔ اس ملاقات میں ڈاکٹر صاحب مجھ حقیر کو بھی لیکر گئے اور مجھ سے ملکی سطح کے ماہرین کا ڈیٹا مرتب کرنے پہ تبادلہ خیال کیا۔

▯ ۱۹۹۱ میں کراچی اور لاہور کی مخصوص تنظیمی خاندانوں کے ساتھ مرقد شہید عارف حسین الحسینی پہ جانے کا پروگرام بنایا جس میں، میں نے فیملی سمیت شرکت کی۔ مرقد شہید پہ آپ نے قائد شہید سے عہد کیا کہ یہ سارے خاندان آپکے مشن کو جاری رکھنے کے لئے آئے ہیں۔

▯ ملک عزیز کے شیعہ اکابرین، علماء کرام، معززین، مدرسین اور مکتبی افراد آپ کی تہہ دل سے عزت و احترام کرتے اور آپکو ایک مخلص، فکر امام خمینی کی مجسم تصویر سمجھتے تھے۔ تشیع کی تعمیر و ترقی کا ایک استعارہ گردانتے تھے۔ شیعہ افسران اور بیوروکریٹس بھی آپکو ملت تشیع کا روشن مینار خیال کرتے۔ ۱۹۹۲ میں میرے کیریئر میں جب میرا ٹرانسفر کراچی ہونے لگا تو میں نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ اس ردعمل کے طور پہ اسٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن نے مجھے نوکری سے فارغ کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے میری دادرسی فرمائی اور آپکے ایک خط پہ میری سروس بحال ہوئی۔

مختصر یہ کہ زندگی کی بہت سی یادداشتیں اور واقعات آپکی زندگی سے وابستہ ہیں جن سب کا ذکر کرنا اس وقت محال ہے۔

اوصاف

کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں
کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

۲۸ سال قبل اسی بہار کے جوبن پہ گلستان خمینی کے لالہ و گل کو سرخ پتیوں میں بکھرتا دیکھ چکا ہوں اور اس عرصے میں نئے کھلنے والے پھولوں میں اور پرانے ہم جولیوں میں اس کی خوشبو تلاش کر رہا ہوں۔ آپکی گفتگو، دروس اور تقاریر سے اخذ کردہ کچھ اوصاف کا ذکر کرتے ہیں جو آپ کے وجود مقدس میں نمایاں تھے اور اسکی ایک جھلک آپکی وصیت میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

أ. ایک نظریاتی و فکری شخصیت:

ڈاکٹر شہید کا نظریہ تعلیمات قرآن و اہلبیت علیہم السلام، نظریات امام خمینی و شہداء انقلاب پر مبنی تھا اور شہید بطور خاص امام خمینی کے نظریات اور وصیت نامے کے مطالعے پہ بہت زیادہ زور دیتے تھے۔ درس کربلا، عدالت علویؑ، آئمہ کرامؑ کی پیروی ان نظریات کا حصہ تھے۔

سینئر تنظیمی افراد میں سید ثاقب اکبر، گل محمد نقوی، علی رضا نقوی اور ڈاکٹر نوروز کی آپ کے ساتھ جد و جہد نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا۔ باصلاحیت نوجوانوں کو حوزہ علمیہ قم بھیجنے کا تصور، دینی درسگاہوں میں نمایاں تبدیلی کا باعث بنا۔ اس طرح سے پیشہ وارانہ یونیورسٹیز اور کالجز سے

فارغ التحصیل طلباء، دینی مدارس کی طرف راغب ہوئے۔

ز. تعلیم، فلاح و بہبود اور دفاع کے امور:

▯ تعلیمی میدان میں تشیع کی بہتری کے لئے آپ نے المصطفیٰ سکولنگ سسٹم کو متعارف کروایا اور ملک بھر بالخصوص محروم علاقوں میں شیعہ اسکولز اور تعلیمی ادارے پروان چڑھانے کے لئے جد و جہد کی۔ دیگر علاقوں کی طرح بھوانہ اور رجوعہ سادات کی مثالیں میرے مشاہدے میں ہیں۔

□ شہادت سے کچھ عرصہ پہلے" امداد فاؤنڈیشن" کے نام سے ایک فلاحی این جی او کا قیام عمل میں لایا گیا تھا جس کا بنیادی مقصد ہر شعبے میں ملت کے افراد کی شرکت یقینی بنانا تھا۔

□ آپ نے ملک وملت کی شخصیات اور اداروں کے دفاع کے لئے دفاعی امور پہ مبنی ایک خاص شعبہ تشکیل دیا اور آپکی اس کوشش سے تکفیری دہشت گردوں کے علاقوں میں تشیع کی حفاظت کے لئے دفاعی صلاحیتیں اجاگر ہوئیں اور اس طرح سے دشمن نے شیعہ آبادی کی نسل کشی کا جو شیطانی منصوبہ بنایا تھا وہ خاک میں مل گیا۔

ح. وصیت کے نمایاں پہلو:

□ آپ نے قرآنی حکم کی تعمیل میں انبیاء، آئمہ اور علماء، خاص طور پہ

امیرالمومنینؑ اور امام خمینی کی وصیت کے تناظر میں اپنی وصیت تحریر کی۔

□ آپ نے موت اور آخرت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ موت کی جانب سفر تیزی سے جاری ہے یعنی دنیا کو ایک عارضی ٹھکانہ سمجھتے تھے اور لقا اللہ کے لئے بیتاب رہتے تھے۔ اپنے معشوق حقیقی کے دیدار کے لئے بے چین تھے۔

سرشار مجھے کردے تو اپنی محبت سے
کچھ شوق اطاعت دے کچھ ذوق عبادت دے
پیمانہ دل میرا لبریز ہو ایماں سے
کچھ ایسی بصارت دے کچھ ایسی حرارت دے

حرمت پہ تیرے دیں کی میں خود کو فنا کرلوں
کچھ ایسی جسارت دے کچھ ایسی شجاعت دے

□ وصیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ زندگی کے کئی مرحلے انسان کو عبرت کا درس دیتے ہیں مگر افسوس وہ سبق حاصل نہیں کرتا جو دوسروں کو کہتا رہا۔ آپ کا یہ جملہ عاجزی وانکساری اور اپنے آپ کو غرور وتکبر سے دور رکھنے کا مظہر ہے اور ہمارے لئے سبق بھی ملتا ہے کہ انسان کی سوچ محدود نہیں۔ جو شخص جتنا سوچ وفکر کرے گا اسے اسی قدر آگاہی نصیب ہوگی۔

□ آپکی شخصیت بابصیرت، مدبر، دور اندیش، احساس ذمہ داری رکھنے والی تھی۔ پھر بھی ڈاکٹر صاحب اس کو اپنی منزل نہیں سمجھتے تھے۔ آپ نے لکھا کہ خدا نے اس سے زیادہ صلاحیتیں دی ہوئی تھیں لیکن وہ اس سے خاطر خواہ استفادہ حاصل نہ کرسکے جس پہ انہیں افسوس ہے۔

□ بقول میر " غبار راہ ہوتے یا کسو کی خاک پا ہوتے" ۔آپ لکھتے ہیں کہ کاش لشکر خمینی میں شمولیت اختیار کی ہوتی تو شاید ان پاک وپاکیزہ نوجوانوں کے صدقے ہم بھی بخشش کا کوئی سامان لے جاتے۔ ہم سب کے مشاہدے میں ہے کہ آپ نے امام خمینی کے ہر حکم پہ لبیک کہا اور لشکر خمینی میں شرکت کے لئے ایران عراق جنگ کے محاذ پر گئے، امام خمینی کے اشارے پر اپنی جان کی بازی لگاتے ہوئے سعودی عرب جا کر مشرکین سے بیزاری کا اظہار کیا۔ خط امام کے تحفظ اور لشکر امام میں اضافے کے لئے دن رات کوشاں رہے اور پھر اسی ہدف کی راہ میں شہید ہوگئے۔ دراصل آپ آنے والوں کو پیغام دے رہے تھے کہ مجھ سے زیادہ دلیری اور ایثار کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔

□ آپکا یہ پیغام کہ مجھے میری آبائی قبرستان میں دفن کیا جائے اور تنظیمی اجتماع نہ کیا جائے یعنی وہ ظاہری شہرت، تنظیمی نمائش اور پروٹوکول کے خلاف تھے۔ خود کو عام کارکنوں سے جدا اور علیحدہ مخلوق نہیں سمجھتے تھے۔

ریل کی سیٹی میں کیسے ہجر کی تمہید تھی
اس کو رخصت کرکے گھر لوٹے تو اندازہ ہوا

آزاد پاکستان کا خواب
محمد علی جناح سے ڈاکٹر محمد علی نقوی تک

تحریر: علی ریحان ولایتی

قائد اعظم محمد علی جناحؒ سے ایک برطانوی اخبار نے انٹرویو کرتے ہوئے پوچھا کہ " آپ کیا سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے نام پر وجود میں آنے والی سیاسی و معاشی طور پر نحیف اور کمزور ریاست چل سکے گی؟ کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ نسبتاً مضبوط اور خوشحال ریاست پر اکٹھے رہتے"۔ قائد اعظمؒ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا" یہی سوال اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ کیلئے ایسا برطانیہ بہتر ہے جو صیہونیوں کے زیر فرمان ہو لیکن معاشی طور پر خوشحال ہو یا ایک آزاد ملک جو معاشی طور پر نسبتاً کمزور ہو؟ اس پر برطانوی صحافی نے تلملاتے ہوئے جواب دیا کہ ہر گز نہیں ہم تو ایک آزاد قوم ہیں"۔ قائد اعظمؒ مسکرائے اور فرمایا کہ تم لوگ کیا سمجھتے ہو کہ ہم ایک قوم نہیں ہیں، ہم بھی آزاد قوم ہیں اور اپنی آزادی کی خاطر حالات کی سختی کو برداشت کر سکتے ہیں۔ انگریز نکل گئے۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت، ان تھک قربانیوں کے بعد مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آئی۔ عالمی، سیاسی ماحول کے تقاضوں کے مطابق کوئی بھی ریاست دنیا میں دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات استوار کیئے بغیر نظام زندگی کو نہیں چلا سکتی تھی اور اس وقت دنیا میں جنگ عظیم دوئم کے بعد امریکہ ایک سپر پاور کے طور پر اپنا لوہا منوا چکا تھا۔ پاکستان کے پالیسی سازوں نے شروع سے ہی قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی حریت پسندانہ فکر کو خیر باد کہتے ہوئے یہ اصول اپنایا کہ ہم ایک کمزور ملک ہیں اور اپنے ازلی دشمن بھارت کے مقابل اپنے دفاع کیلئے ہمیں کسی سہارے کی ضرورت ہے اور ہماری یہ ضرورت امریکی بلاک کا حصہ بن کر ہی پوری ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہماری خارجہ پالیسی کا جھکاؤ ہمیشہ امریکہ کی طرف رہا۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی زندگی میں ہی ایک عظیم شیعہ مجتہد آقائے محمد حسین کاشف الغطاء نے اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک کی خارجہ پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے قائد اعظم محمد علی جناحؒ کو خط لکھا۔ آپ نے قائد اعظمؒ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ " پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے، آپ کو زیب نہیں دیتا کہ آپ ایسی عالمی طاقت (امریکہ) کی طرف جھکاؤ رکھیں کہ جو مشرق وسطیٰ (یعنی عالم اسلام کے قلب میں) میں ناجائز طور پر اسرائیل کے قیام کی حامی ہے"۔

قائد اعظم محمد علی جناحؒ بہت بڑے مدبر اور اصول پسند قائد تھے۔ آپ نے ہمیشہ اسرائیل کے وجود کو ناجائز گردانا اور پاکستان کی خارجہ پالیسی کے اصولوں میں واضح طور پر اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی پالیسی پر کاربند رہنے کی تاکید کی۔ قائد اعظم محمد علی جناح کا وجود عالمی استعمار کیلئے ناقابل برداشت تھا لہٰذا سازشی عناصر کا سہارا لیتے ہوئے قائد اعظمؒ کو منظر عام سے ہٹانے کیلئے آپؒ کو دور افتادہ مقام زیارت پر ریسٹ ہاؤس میں بھیج دیا گیا۔ زیارت سے واپسی پر جس ایمبولینس میں قائد اعظم بھیجے گئے اس میں صرف ڈرائیور اور قائد اعظم تھے۔ اس ایمبولینس کا ایندھن راستے میں ہی ختم ہو گیا۔ ایمبولینس چھ گھنٹے تک سڑک کنارے کھڑی رہی اور کوئی بھی اعلیٰ سرکاری ملازم یا ہمنا ان کی خبر گیری

کو نہ پہنچے جس کے باعث قائداعظم عالم بے چارگی میں اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔ قائداعظم کے اس دنیا سے جانے کے بعد اصول پسند مسلمان ریاست کا خواب بھی تشنۂ تکمیل رہ گیا۔ آپ کی وفات کے بعد سے آج تک آزادی اور انصاف کے اصولوں کی بجائے پاکستان کی خارجہ پالیسی فقط "امریکہ کو راضی رکھنے" کے اصول پر مرتب کی جاتی ہے۔

پاکستان کی اشرافیہ کا ایک طبقہ سیاستدانوں پر مشتمل ہے اور دوسرا اسٹیبلشمنٹ پر۔ آزادی کے بعد پاکستان کو برطانوی سامراج کی طرف سے وراثت میں ملنے والی سول اور ملٹری بیوروکریسی ہی نہیں تھی بلکہ علی گڑھ میں سرسید احمد خان کی سرپرستی میں پروان چڑھنے والی سیاسی قیادت بھی تھی۔ انگریزوں نے لارڈ میکالے کے ذریعے انڈیا میں ایسا نظام تعلیم رائج کروایا کہ جسے دیکھ کر برطانوی پارلیمنٹ نے قانون پاس کرنے سے انکار کر دیا۔ پارلیمنٹ کے نزدیک یہ قانون تعلیم کا قانون نہیں تھا لیکن جب میکالے نے وضاحت پیش کی کہ انڈیا میں ہم تعلیم دے کر وہاں کی نسلوں کو علم کے سائے میں پروان نہیں چڑھانا چاہتے بلکہ کاروبارِ مملکت کو اپنے مفادات کے حصول کی خاطر چلانے کیلئے کلرکوں کی فوج اور صرف انتظامی مشینری تیار کرنا چاہتے ہیں تو اس قانون کو نافذ کر دیا گیا۔

سرسید احمد خان نے علی گڑھ میں جس تعلیمی نظام کی بنیاد رکھی اس کے پیچھے یہی سوچ کارفرما تھی کہ مسلمان انگریزوں کی نوکریاں حاصل کرنے میں ہندوؤں اور عیسائیوں سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ رہبر عظیم الشان آیت اللہ سید علی خامنہ ای 1986ء میں پاکستان کے دورہ کے دوران اپنے خطاب میں علی گڑھ کے نظام تعلیم پر سیر حاصل گفتگو فرماتے ہوئے اس نکتہ کی وضاحت فرما چکے ہیں۔ ہم بات کر رہے تھے پاکستان کو انگریزوں کی طرف سے وراثت میں ملنے والی سول وملٹری بیوروکریسی اور سیاسی قیادت کی۔ وہ سب کے سب یا تو براہ راست برطانوی نظام تعلیم کے پروردہ تھے یا علی گڑھ کے تعلیم یافتہ۔ بدقسمتی سے تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم کے ساتھ یہی لوگ تحریک پاکستان کی قیادت کرتے رہے اور پاکستان بننے کے بعد بھی پاکستان کی سیاسی وانتظامی قیادت انہی لوگوں کے پاس رہی۔ پاکستان بننے کے بعد ایک طرف ملک کی سیاسی قیادت میں پڑھے لکھے قائدین کا فقدان رہا تو دوسری طرف لیکن

بیوروکریسی نے جو نظام تعلیم بنایا وہ انہی خطوط پر استوار رہا جو برطانوی استعمار نے وراثت میں چھوڑا تھا لہٰذا پاکستان بننے کے بعد ملک کی پالیسی سازی کی مہاران پڑھے لکھے لوگوں کے ہاتھ میں تھی جس کی وجہ سے آج بھی ہماری خارجہ پالیسی میں ان کی غلامانہ سوچ کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو سمیت تیسری دنیا میں نوآبادیاتی نظام سے بظاہر آزادی حاصل کرنے والے علاقوں یا ممالک کے متعلق دنیا کے کئی تجزیہ نگار ثابت کرتے ہیں کہ برطانوی سامراج دنیا میں اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے کی وجہ سے مجبور تھا کہ کوئی ایسا نظام متعارف کروائے کہ جس کے ذریعے جسمانی طور پر وہ واپس چلا جائے لیکن سیاسی طور پر متبادل نظام ان کے مفادات کی نگرانی کرنے والے نظام کے طور پر ظاہری آزادی حاصل کرنے والے علاقوں میں رائج رہے۔ بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ ان کی حکمت عملی کافی حد تک کامیاب رہی۔ آزادی حاصل کرنیوالے بعض ممالک کے درمیان برطانوی سامراج جغرافیائی طور پر ایسے پیچیدہ مسائل چھوڑ گیا کہ ان علاقوں میں قتل وغارت اور جنگ وجدل کا بازار سالہا سالوں سے گرم ہے اور تھمنے کا نام نہیں لیتا۔ خطہ جنت نظیر مقبوضہ جموں کشمیر پر بھارت کا ناجائز قبضہ اس پالیسی کا واضح شاخسانہ ہے حالانکہ ہم کشمیر کی آزادی کیلئے 65ء کی جنگ بھی لڑ چکے اور کشمیری مجاہدین ہزاروں جانوں کے نذرانے بھی پیش کر رہے ہیں۔

برطانوی سامراج اپنی وراثت چھوڑ کر چلا گیا، قائداعظم محمد علی جناح وفات پا گئے یکے بعد دیگرے پاکستان میں بھی حکمران بدلتے رہے، آہستہ آہستہ برطانوی اثر ورسوخ دنیا میں کم ہوتا گیا دنیا میں اور بالخصوص عالم اسلام میں برطانوی اور فرانسیسی سامراج کی جگہ امریکہ نے لینا شروع کی۔ جب عالمی سطح پر طاقتوں کا توازن تبدیل ہو رہا تھا یہ اس بات کیلئے بہترین وقت تھا کہ تیسری دنیا کی اقوام سنبھل سکتی تھیں لیکن غلامانہ سوچ رکھنے والی ناعاقبت اندیش وکوتاہ نظر قیادت کے باعث ایسی کوئی تبدیلی اس خطے میں دیکھنے میں نہیں آئی۔ یوں سمجھ لیں کہ آقاؤں کے چہرے اور علاقے بدل گئے لیکن غلام قوم میں اپنی سوچ میں کوئی بنیادی تبدیلی لانے میں ناکام ہیں۔

ہم ایک ایسے خطے میں رہتے ہیں جہاں آزادی صرف ایک وہم ہے، جس کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کبھی حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتا لیکن حسینی جذبوں اور

علوی افکار کے امین جہاں بھی ہوں وہاں آزادی و حریت اور استقلال کے نعروں کی گونج ضرور بلند ہوتی ہے۔ بے شک ذوالفقار علی بھٹو نے تیسری دنیا کو متحد کرنے اور استعماری طاقتوں سے حقیقی طور پر آزادی حاصل کرنے کا نعرہ بلند کیا لیکن جو خود اپنے وجود کو نفسانی اور مادی خواہشوں سے آزاد نہ کرا پائے وہ قوموں کو کیسے آزادی دلا سکتے ہیں۔ پاکستان میں پہلی بار "لا شرقیہ ولا غربیہ" کے اصول کی روشنی میں اٹھنے والی آواز صرف ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی تھی۔ آپ نے بار با کہا کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی آزاد نہیں ہے ہمارے پالیسی ساز اتنے آزاد اور نظریاتی نہیں ہیں کہ ایک آزاد قوم کی آزادانہ پالیسی مرتب کرسکیں۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہیدؒ نے موجودہ نظام کو بدلنے کی فکر کو فروغ دیا اور ہمیشہ نظام بدلنے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ آپ اکثر فرماتے کہ اپنے کیریئر، بزنس، ذاتی مصروفیات اور گھریلو کاموں سے وقت نکال کر جب تک اس نظام کو تبدیل کرنے کی اجتماعی جدوجہد میں شریک نہیں ہو نگے اس وقت تک ہماری معاشرتی، سیاسی مسائل بھی حل نہیں ہو نگے اور ہماری آئندہ نسلیں بھی انہیں مسائل کا شکار رہیں گی کیونکہ یہ نظام قائم رہے گا تو صرف بڑی اقلیت اور بیرونی آقاؤں کے مفادات کی نگرانی کرتا رہے گا۔ جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا کہ انگریز سامراج کیطرف سے ملنے والا نظام تعلیم آزادی کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے میں نسل در نسل ایک رکاوٹ ہے۔

اس بات کے پیش نظر ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی جدوجہد کا ایک پہلو نظام تعلیم کی تبدیلی اور طلبہ جدوجہد تھا۔ آپ نے ایک طلبہ تنظیم کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آئی ایس او پاکستان کی تاسیس میں بنیادی کردار ادا کیا۔ پاکستان بھر کے تعلیمی اداروں میں بالخصوص اعلیٰ تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں اور میڈیکل کالجز میں طلبہ کو منظم کیا۔ نوجوان نسل کو شعور دیا کہ ہم نہ صرف آزاد قوم کے طور پر زندگی بسر کرسکتے ہیں بلکہ ہم اسلام ناب محمدیؐ کے امین بھی ہیں۔ آپ نے نوجوانوں کی تربیت ایسے خطوط پر کی کہ وہ نہ صرف انفرادی طور پر دین مبین اسلام کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں بلکہ اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے ہراول دستے کے طور پر جدوجہد کا حصہ بنیں۔ آپ اکثر فرماتے کہ نوجوان کسی بھی قوم کی ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتے ہیں۔ لہٰذا نوجوانوں کو منظم و تربیت یافتہ ہونا چاہیے۔ آپ نے خواب غفلت میں سوئی ہوئی نوجوان نسل کو بیدار کیا اور حقیقی زندگی گزارنے کا گر سکھایا۔ طلبہ اور نوجوانوں پر محنت کرکے آپ نے پاکستان میں اسلامی تحریک کیلئے کارکنوں کی بہت بڑی تعداد تیار کی۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے بعد آپ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے طلبہ کو تعلیم پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ سیاسی بصیرت حاصل کرنے اور احتجاجی جدوجہد میں قیادت کا دست و بازو بنا کر دکھایا۔ آپ نے پانچ سے سات سال کے عرصے میں ملک کے کونے کونے میں نوجوانوں سے روابط قائم کیے، انہیں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا، انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے ان کی تربیت کی، چند ہی سالوں میں خام ذہن رکھنے والے نوجوان آپ کے جاری کردہ تربیتی نظام کے مختلف مدارج سے گزر کر پختہ فکر اور باشعور کارکنوں میں تبدیل ہو گئے۔ 1980ء میں قائد مرحوم مفتی جعفر حسینؒ نے امریکہ کے جیرہ خوار اور اس وقت کے فوجی ڈکٹیٹر ضیاء الحق کے خلاف آواز بلند کی تو کارکنوں کے کفن پوش دستے قائد کی آواز پر لبیک کہنے کیلئے تیار تھے۔ اس وقت کے آمریت زدہ اور گھٹن والے ماحول میں فقط ڈاکٹر محمد علی نقویؒ شہید کی واحد آواز تھی جس نے مفتی جعفر حسینؒ کی آواز میں جان ڈالی اور پاکستان کے سیاسی منظر نامے پر علم عباسؑ کے سائے میں استعمار مخالف نعروں کی گونج اسلام آباد سے پوری دنیا میں سنائی دی۔

1979ء میں انقلاب اسلامی ایران کے بانی امام خمینیؒ نے عالمی طاقتوں کو للکارا تو ڈاکٹر محمد علی نقویؒ شہید نے پاکستان سے آپ کی آواز میں آواز ملائی، آپ فقط تنہا ایک نوجوان لیڈر نہیں تھے بلکہ آپ کی تیار کردہ کارکنوں کی پوری فوج تھی، امام خمینیؒ کی تائید میں اٹھنے والی آواز پورے ملک میں گونج رہی تھی۔ اس وقت ضیاء الحق کی حمایت نہ کرنا جہاد افغانستان کی مخالفت کے مترادف تھا اور جہاد افغانستان کی مخالفت کرنے والے کمیونسٹ کہلائے جاتے تھے یا روس کے ایجنٹ جبکہ جہاد افغانستان میں مکمل سرمایہ سی آئی اے کا استعمال ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر محمد علی نقویؒ شہید افغانستان سے روس کی فوجوں کے انخلاء اور مسلمانوں کی آزادی کے بہت بڑے حامی تھے لیکن آپ امریکہ کا رول نہ صرف تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کے خلاف ایک سازش سمجھتے تھے اور امریکی استعمار کو برطانوی استعمار کا تسلسل گردانتے تھے۔ منطقی طور پر ہر سیاسی اور مذہبی راہنما اور کارکن یہی سمجھتا

تھا کہ امریکہ کبھی مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا لیکن ضیاء الحق کے ڈنڈے، سعودیہ کے ریال اور امریکہ کے ڈالروں نے ان کی زبانوں پر تالے لگائے ہوئے تھے شیعہ علما تعداد میں بہت کم تھے اور وہ بھی مدارس تک محدود تھے۔ ڈاکٹر محمد علی نقویؒ شہید واحد امریکہ مخالف آواز تھے لیکن 73-1972ء سے آپ نوجوانوں میں اپنا اثر و رسوخ اور اپنی فکر کی ترویج کر چکے تھے اور 1980ء تک آپ کی آواز ایک اجتماعی آواز بن چکی تھی۔

آپ شروع سے ہی پورے نظام کی تبدیلی کے قائل تھے اور نظام کی تبدیلی سیاسی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں تھی لہٰذا آپ نے تبدیلی کیلئے کی جانے والی سیاسی جدوجہد کیلئے طلبہ اور نوجوانوں پر محنت کر کے کارکنوں کو تیار کیا اور علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے بعد جب علامہ عارف حسین الحسینیؒ شہید نے نظام کی تبدیلی کے ایجنڈے کے ساتھ جدوجہد کا اعلان کیا تو سوائے ڈاکٹر محمد علی نقویؒ شہید آپ نے نوجوانوں کی قیادت کی اہمیت اور قیادت کے ساتھ کارکنوں کے تعلقات کی اہمیت کو سمجھایا اور آئی ایس او پاکستان سمیت نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد کو علامہ عارف حسین الحسینیؒ شہید کی قیادت میں پورے ملک میں منظم کیا۔ آپ امام خمینیؒ کے بعد شہید حسینیؒ کے دلدادہ اور اطاعت گزار تھے۔ بے شک آپ نے شہید حسینیؒ سے کئی سال قبل جدوجہد کا آغاز کیا لیکن اپنے آپ کو دینی قیادت کا کارکن سمجھتے رہے۔ آپ کی جدوجہد کے دو نکات تعلیم کے نظام کی تبدیلی او رسیاسی جدوجہد کے ذریعے پاکستانی رائے عامہ کو امریکہ کا حقیقی چہرہ دکھانا تھا۔ آپ کی کوششوں کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کوئی موقع نہیں چھوڑا کہ جب اور جہاں یہ ممکن تھا کہ پاکستان کے عوام تک یہ پیغام پہنچ سکتا ہے اور آپ نے اس کا حق ادا نہ کیا ہو، چاہے وہ سی آئی اے چیف کی پاکستان آمد پر اس کے روٹ پر گاڑی روک کے اس کے سامنے امریکی پرچم جلانے کا واقعہ ہو یا مال روڈ لاہور کی بلڈنگ پر مردہ باد امریکہ کے بینرز لگانے کا واقعہ ہو۔ آپ نے ہر طرح سے پاکستان کو استعماری طاقتوں کے چنگل سے آزادی دلانے کیلئے رائے عامہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی، پاکستان کی گلی گلی، تمام در و دیوار، چوک چوراہے، منڈیاں بازار، شاہراہیں اور تمام پبلک مقامات مردہ باد امریکہ کے نعروں سے پر کر دیے اور ہر فورم پر پاکستان کی عوام کو امریکی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا۔ ہمیشہ قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے حریت پسندانہ اصولوں کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔

7 مارچ 1995ء کو آپ بیرونی قوتوں کے آلہ کاروں کے ہاتھوں شہید ہو گئے لیکن آپ کی فکر اور نظریہ آج بھی زندہ ہے۔ آپ نے بے شمار نوجوانوں کی تربیت کی۔ 1980ء اور 1990ء کی دہائیوں سے کہیں بڑھ کر آج آپ کی فکر ملک کے کوچے کوچے میں پھیل چکی ہے۔ مشرف دور میں امریکی ایف بی آئی کے ہاتھوں شہید ہونے والے شہید علی ناصر صفوی اور ان کی شہیدہ زوجہ کے مزار پر کندہ یہ جملہ کہ "ہم کون ہیں؟، ہم عالمی عوامی عادلانہ نظام کے قیام کیلئے ہونے والے جدوجہد کا حصہ ہیں"۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کی فکر کو زندہ رکھنے کیلئے نوجوانوں نے صرف اپنا لہو قربان کیا بلکہ اپنے بیوی بچوں کو بھی ایک عادلانہ اسلامی نظام کے قیام کیلئے راہ خدا میں پیش کیا۔

بے شک آج کوئی اخبار، کوئی چینل، کوئی گلی، کوئی بازار، کوئی زبان ایسی نہیں ہے جہاں مردہ باد امریکہ کی بات نہ ہو رہی ہو، ہزاروں نوجوان موجود ہیں جو دینی فکر رکھتے ہیں، یہ جہد مسلسل اور قیام کا نتیجہ ہے جو 1970ء اور 1980ء کی دہائیوں میں ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید نے پاکستانی معاشرے میں بیدار کرنے کی کوشش کی تھی، اس وقت وہ تنہا تھے اور انہیں ایک کٹھن اور طویل جدوجہد کرنا پڑی تاکہ پاکستانی رائے عامہ اس فکر کو قبول کرے اور نظام کو بدلنے کی جدوجہد میں شریک ہو، پاکستان کے لوگوں نے شہید کی آواز پر کان نہ دھرا لیکن شہداء کے حلق سے نکلی امریکہ مردہ باد کے نعرہ کی چنگاری طویل عرصہ بعد بھی حالات کی راکھ میں تبدیل نہ ہوئی بلکہ دبی رہی اور آج جب امریکی ہمارے گلی محلوں میں گھس کر ہمارے کڑیل نوجوانوں کا قتل کر رہے ہیں اور ان کی بیوائیں خود کشیاں کر رہی ہیں تو ہر زبان پر مردہ باد امریکہ ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ کاش اگر آج سے 25 سال قبل پاکستان کے عوام اپنے دشمن کو پہچان لیتے تو آج ملک و قوم اس طرح امریکیوں کے ہاتھوں یرغمال نہ بنے ہوتے چہ جائیکہ ان برسوں میں مشکلات و تکالیف کے ایک سمندر سے گزرنا پڑا لیکن اتنا تو ہوا کہ ملک و قوم اپنے حقیقی دشمن کے چہرے سے شناسا ہو چکی ہے۔ آج پوری قوم مردہ باد امریکہ کے نعرے کو اپنا شعار بنا چکی ہے۔ اسے اس بات کا یقین ہو چکا

ہے کہ ملک کے مسائل سے نکلنے کا واحد حل اور راستہ اس نعرے کو بچے بچے کی زبان اور اذہان میں راسخ کرنا ہے تاکہ اپنے جذبوں کی حرارت اور افکار کی پختگی کی بدولت امریکی سامراج کو اپنی مقدس دھرتی سے اٹھا باہر پھینکا جاسکے۔ بے شک وہ دن دور نہیں جب یہ ملت اپنی حقیقی آزادی اور خودمختاری کا سورج طلوع ہوتے ہوئے دیکھے گی۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی نے جن اداروں اور تنظیموں کو تشکیل دیا ان کی خدمت اس لیے تھی کہ جدوجہد کو اجتماعی رنگ دیا جاسکے لیکن شاید وہ ادارے بدلتے حالات کے ساتھ صرف اپنی بقاء کی جدوجہد یا مصلحت اندیشی کا شکار ہیں۔ اس میں تو کسی کو شک نہیں کہ پاکستان میں امریکی استعمار کو بے نقاب کرنے والے ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید ہیں لیکن اگر ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید ان کے دور میں ہوتے صورتحال جوں کی توں رہتی؟ بالکل نہیں یہی تو شہید کی سرشست میں شامل نہیں تھا ورنہ وہ آج "زندوں" میں شامل ہوتے، کارز میٹنگز کرتے، پذیرائی ہوتی، پریس کو طلب کیا جاتا، کارکردگی دکھانے کیلئے نشر واشاعت ہوتی، سیمینارز ہوتے، تجزیہ و تحلیل ہوتا، اداروں کے اندر نئے ادارے بنتے اور بس۔ شہید کا مزاج ایسا نہیں تھا، کشمیر و فلسطین کانفرنس اسلام آباد، جس میں تقریباً پچیس ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی۔ شہید سٹیج پر آئے اور جذبوں کو حرارت دی۔ فرمایا کہ برادران عزیز! اسلام کا پیغام ہم تک کانفرنسوں اور سیمینارز کے ذریعے نہیں پہنچا، یہ پیغام ہم تک عملی جدوجہد اور شہداء کے خون کے ذریعے پہنچا ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک ہمیں نعرے لگانے چاہئیں اور زور سے نعرے لگانے چاہئیں کیونکہ ان کے ذریعے ہمارے جذبات کا اظہار ہوتا ہے اور ان مجاہدین کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جو سرحدوں کے پار مصروف جہاد ہیں۔ اور ان تک ہمارا پیغام پہنچتا ہے کہ ہماری حمایت ان کے ساتھ ہے لیکن دوستو ہمیشہ یاد رکھیے کہ سب سے افضل جہاد "صف اول کا جہاد ہے"۔

اگر ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی فکر کے حامل افراد یہ سمجھیں کہ ادارے بنے ہوئے ہیں اور سب کام ہو رہے ہیں تو کبھی کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ ادارے تو وہی ہوں لیکن وہاں افراد ایسے آجائیں جو شہداء کی فکر سے دور ہوں۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی کی فکر اور ان کی عالی مرتبت روح سے فیض پانے والے ہر کارکن کیلئے میدان موجود ہے۔ شہید کی فکر فروغ پا رہی ہے لیکن ایسا نہ ہو کل تک ہمارے اسلاف جس فکر کو فروغ دینے کیلئے جدوجہد کرتے رہے اور اپنا خون قربان کرتے رہے آج وہ فکر پاکستانی معاشرے میں راسخ ہو رہی ہے اور ہمارا اجتماعی کردار ویسا نہ ہو جو شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی آرزو و تمنا تھی۔

اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ کو سرخرو فرمائے اور شہداء کے راستے کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پاکستان میں مسلمان سخت ترین حالات کا شکار ہیں۔ اگر آج بھی ہم بیدار نہ ہوئے تو قیام پاکستان کی جدوجہد میں لاکھوں جانوں کا نذرانہ دینے والے شہداء اور تکمیل پاکستان میں قربان ہونے والے ہزاروں شہداء کا خون ہماری گردنوں پر ہوگا۔ پاکستان کا شہری بے شمار مسائل، تکلیفوں اور مشکلات کے باوجود دشمن (امریکہ) کو پہچان چکا ہے کہ جسے مصیبتوں اور کٹھن حالات سے گزر کر یعنی مشکلات کی بھٹی سے گزر کر کندن بن چکا ہے اور ملک میں ہونے والی کسی بھی امریکی سازش کو بخوبی پہچان لیتا ہے۔ آج امریکہ کو ملک پاکستان میں اپنے ایجنڈے کی تکمیل میں قدم قدم پر جن دشواریوں کا سامنا ہے وہ ملت پاکستان کی بلند آگہی اور دشمن کو پہچاننے کے سبب ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب امریکی استعمار کو اس سرزمین پر شکست کا سامنا ہوگا اور یہ کہ یہاں سے اپنا بوریا بستر سمیٹ لے گا۔ فقط ایک شرط ہے کہ امام خمینیؒ جیسی فکر اور رہبر معظم سید علی خامنہ ای جیسی قیادت درکار ہے۔

(والسلام)

خاطرات و پیاری یادیں

کیپٹن آغا علی موسوی لاہور
سید آل حسنین کراچی
اعجاز جعفری شیخوپورہ
سید عباد ار حسین نقوی لاہور

پیاری یادیں از کیپٹن آغا علی موسوی:

شہر پشاور میں شہید قائد عارف حسینی کی پہلی برسی پر مزار شہید قائد کیلئے روانگی کے وہ سب مناظر جب بھی یادوں کے پردے پر لہراتے ہیں تو دل بہت دکھی اور بوجھل ہو جاتا ہے۔۔۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ جب ہم مزار قائد حسینی پارہ چنار کی طرف جانے لگے تو ہمارے بہت پیارے "ڈاکٹر محمد علی" نے نہایت پیارے انداز میں یہ حکم فرمایا کہ: آپ تینوں موسوی برادران میرے دل کے بہت قریب ہیں لیکن، یہاں سے آگے پاراچنار روانگی کیلئے آپ تینوں یعنی (محبوب موسوی، زوار موسوی اور، میں،) میں سے کوئی ایک ہمارے ساتھ جا سکتا ہے، سو اس کیلئے قرعہ میرے نام نکلا اور ہم پاراچنار کیلئے روانہ ہو گئے، وہ ایک نہایت یادگار سفر تھا، ہم لوگوں کی شہید قائد کے مزار پر ان کی پہلی برسی پر ہماری حاضری تھی، برادر قیصر بخاری اور برادر نثار ترمذی بھی ہمارے ہمراہ تھے۔۔۔ اس کے بعد ہم نے ڈاکٹر شہید کے ہمراہ متعدد سفر کیئے، ان کی تیز ترین گاڑی کی رفتار اور ان کی تلاوت قرآن پاک ہمیشہ یاد رہے گی، ان دنوں سکھر سندھ میں تعیناتی کے دوران متعدد تنظیمی اجلاس میں ڈاکٹر شہید کی شرکت اور پُر جوش خطابات نے ہم سب برادران کو بیحد متحرک رکھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر شہید ایک سچے، بیحد مخلص اور دلیر لیڈر تھے، وہ ہماری زندگیوں میں ایسا خلا پیدا کر گئے جو شاید کبھی مشکل سے ہی پُر ہو سکے۔۔۔

ڈاکٹر محمد علی" کی شہادت پر ان کے جسد خاکی کو اسپتال سے ان کی رہائش گاہ تک لاتے ہُوئے ہمارے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے، وہ ایک نہایت مُتقی، پرہیزگار اور سچے عاشق رسول حضرت محمد ﷺ و آلِ محمد ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ تنظیمی امور و حکمت عملی کے ماہر اور ہر شعبہ کے ماہر ڈاکٹر تھے۔۔۔

انقلاب اسلامی ایران کے بعد پاکستان کے طول و عرض میں انقلاب کی روشنی کو ایک طاقتور شمع کی طرح روشن کرنے میں شہید ڈاکٹر صاحب کا کردار تاریخ میں ایسے سنہری حروف میں درج ہو چکا ہے جو، کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، ہماری دلی دعا ہے کہ نوجوان اس سے استفادہ حاصل کریں

یادیں از سید آل حسنین، کراچی بانی رکن آئی ایس او پاکستان

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید رح کی شخصیت و افکار پر لکھنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کیونکہ ان پر بہت سے احباب نے بہت کچھ لکھا ہے۔ شہید رح سے میری اتنی ہی پرانی آشنائی ہے جتنی کہ امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کی عمر رواں ہے۔ یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں۔

میری نظر میں ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید ایک روحانی شخصیت تھے جو اس دنیا میں آئے اور آئی ایس او جیسی نعمت دے کر چلے گئے۔ آپ نے آئی ایس او

کی اتنی مضبوط بنیاد رکھی ہے کہ بیسیوں کوششیں اس کو ختم کرنے اور اس کے ٹکڑے کرنے کی ہو چکی ہیں مگر تا حال کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکی گو کہ ہمارے جیسے لوگ بھی اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے اور آئی ایس او کے ساتھ بھرپور تعاون نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ الحمد للہ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید نے دیگر تنظیموں اور اداروں کے قیام و مضبوط کرنے میں موثر کردار ادا کیا مگر ان اداروں میں موجود افراد نے منافقت کی اور ان کا صحیح طرح سے ساتھ نہیں دیا جس کی وجہ سے وہ تنظیموں اور ادارے اپنے محدود دائرے سے آگے نہ بڑھ سکے۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کا ایک کارنامہ ایسے افراد کو معاشرے میں پھیلا دیا جو بذاتِ خود ایک تنظیم و ادارہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ افراد آپ کو ہر شعبہ زندگی میں ملیں گے۔ شہید رح نے جس مقصد کے لیے جدوجہد شروع کی تھی یعنی شہادت، اس کو کر جاوداں حیات حاصل کر لی اور ہم جیسے جرس کارواں سننے میں مشغول رہے۔ اسے بدقسمتی ہی کہا جا سکتا۔ شہید رح اپنی زندگی میں بھی کامیاب تھے اور ظاہری حیات کے بعد بھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہید رح کے راستے کو قائم رکھنے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

...

خاطرات از اعجاز حسین جعفری

مجھے ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید رح کی خدمت کرنے اور صحبت میں رہنے کا نادر موقع میسر آیا جس پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سر نیاز خم ہے۔ ڈاکٹر شہید رح کے چند واقعات بطور تبرک پیش ہیں۔ کپڑے نجس نہیں ہوتے۔ آپ امام حسین علیہ السلام کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن تشریف لے گئے۔ مجھے یہ شرف حاصل ہوا کہ میں انہیں ایئر پورٹ تک لے کر گیا۔ تین چار دن کے بعد مجھے یہ موقع میسر آیا کہ آپ ایئر پورٹ لینے گیا۔ آپ جب موٹر سائیکل پر بیٹھے تو میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب انہی کپڑوں میں ملبوس ہیں جن میں آپ لندن گئے تھے۔ میں نے حیرانگی سے پوچھا ڈاکٹر صاحب آپ نے کپڑے تبدیل نہیں کیے؟ کہنے لگے" اعجاز نہ کپڑے نجس ہوئے اور نا ہی میں نے تبدیل کیے۔" میں حیران رہ گیا کہ کپڑے اس وجہ سے تبدیل ہوتے ہیں۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کئی مرتبہ کپڑے تبدیل کرتا۔ تین کام ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کا نارنگ منڈی تبادلہ کر دیا گیا تھا۔ میں آپ کو بس پر سوار کرانے کے لیے لاری اڈا گیا۔ جب آپ بس میں سوار ہو گئے تو مجھ سے کہا جعفری! دو روپے کے چنے لا دو جو میں نے ایک پٹھان سے خرید کر دے دیے۔ مجھے کہنے لگے کہ پوچھو گے نہیں کہ میں نے یہ چنے کیوں لیے۔ میں نے عرض کی کہ آپ بتا دیں۔ کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک وقت میں تین کام کروں۔ میں نے تعجب سے پوچھا وہ کونسے؟ فرمانے لگے 1- میں سفر کروں گا۔ 2- راستے میں کتاب پڑھتا جاؤں گا۔ 3- اور چنے بھی کھاتا جاؤں گا۔ یعنی میں ایک وقت میں کم از کم تین کام کرنا چاہتا ہوں۔

فضول خرچی۔۔ ایک مرتبہ میں کسی کام کے سلسلے میں اسلام آباد گیا تو وہاں ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید رح سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ کہنے لگے اعجاز ابھی دو تین گھنٹے پہلے آپ سے لاہور ٹیلی فون پر بات ہوئی تھی اب اتنی جلدی یہاں کیسے؟ میں نے بتایا کہ میں بائی ایئر آیا ہوں اور ثبوت کے طور پر ایئر ٹکٹ بھی دکھایا۔ آپ سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ واپسی کا ٹکٹ ابھی کینسل کرواؤ۔ ویگن کے ذریعے واپس جانا۔ یہ فضول خرچی ہمیں زیب نہیں دیتی

۔

ذوالفقار علی خان مرحوم صدر تحریک شیخوپورہ ایک مرتبہ اشتہار چھپوا کر دفتر لائے جسمیں ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید رح کا نام نمایاں چھپا ہوا تھا۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ شہید رح اس پر خوش ہوں گے مگر آپ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم لوگ خوشنودی خدا کے لیے کام کر رہے ہیں تاکہ اپنی شہرت کے لیے۔ میں اب اس پروگرام میں جاؤں گا ہی نہیں اور وہ نہیں گئے۔ آپ نوجوانوں کو تاکید کیا کرتے تھے کہ اپنے پاس کاغذ و قلم ضرور رکھا کریں۔ ڈاکٹر شہید رح کو شہادت کی بہت خواہش تھی۔ آپ شہادت کی دعا کرتے تھے اور اظہار بھی کرتے تھے کہ وہ بیالیس سال کی عمر میں شہید ہو گیا اور مجھے شہادت نصیب کیوں نہیں ہوئی؟ فرماتے تھے کہ ہمیں امام زمانہ علیہ السلام کے ظہور کیلئے زمین ہموار کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر محمد

علی نقوی شہید رح کے درجات بلند فرمائے آمین ثم آمین۔

عوادار حسین نقوی عزیز کالونی لاہور

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

20 صفر 78ء جہلم کے جلوس میں نماز ظہرین باجماعت کے اہتمام میں چند صالح نوجوان دوڑ دوڑ کر انتظامات میں مصروف دکھائی دیے ان میں خلاف ہونے کی وجہ سے ایک نوجوان کچھ عجیب نظر آئے معلوم ہوا کہ یہ ڈاکٹر محمد علی نقوی ہیں۔ آئی ایس او۔ آئی او اور تحریک جعفریہ کے پروگرامز میں نہایت مخلص متدین محسوس ہوتے۔

بھکر کنونشن کے بعد انکی مریدی کا شرف حاصل ہوا بندہ 1980ء میں امامیہ پبلیکیشنز آفس سکریٹری مقرر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کو رضا کار سے خصوصی دلچسپی تھی۔ نور چیمبر زگنپت روڈ پر ساتھ ساتھ دفتر ہونے کی وجہ سے موصوف کو بہت قریب سے دیکھا قومی خدمت سے سرشار۔ تحرک کا نمونہ اور منبع خلوص نظر آئے۔ آئی ایس او امامیہ اسپلائز کی جان اور روح رواں محسوس ہوئے مصباح القرآن ٹرسٹ کے بہت فعال ٹرسٹی تھے ان کے ذمہ جو بھی ذمہ داری تفویض ہوئی نہ تو انکار کیا اور نہ ہی کام کو نامکمل چھوڑا بلکہ پوری تن دہی سے بہتر سے بہتر رزلٹ کیلئے کوشاں رہے۔ تنظیمی ذمہ داریوں مراسم عوا۔ نماز جماعت میں بڑھ چڑھ کر نہایت پرخلوص حصہ لیتے۔ ساتھی گواہ ہیں۔ قرآن و سنت کانفرنس ہو یا کوئی قومی پروگرام تو موصوف نے اپنی ہمت اور طاقت سے زیادہ مگر منظم ورک کیا اجتماعی دعاؤں کے منظم سلسلہ کی خوب ترغیب دیتے۔ ایک مسجد میں شب جمعہ ڈاکٹر صاحب نے تقریباً ایک گھنٹہ میں دعائے کمیل کی تلاوت فرمائی ایک بلند آواز میں التماس دعا کیا تو فرماتے ہیں ہم گھنٹہ بھر سے کیا کر رہے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ ایران کی پارلیمنٹ کو دھماکہ سے اڑایا گیا تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ہم کم از کم اس ظلم پر خاموش تو نہیں رہ سکتے لہذا مال روڈ احتجاج کرنا چاہیے۔ چنانچہ احتجاج ہوا ڈاکٹر صاحب نے ہمارے کوئی 70 نوجوان گرفتار کر لیے۔ پولیس افسران سے گفتگو کیلئے ڈاکٹر صاحب مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ ایس پی نے کہا ڈاکٹر صاحب آپکی نوکری ختم ہو جائیگی تو آپ کیا کریں گے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا میں تو ڈاکٹر ہوں مجھے تو مریضوں کا علاج ہی کرنا ہے اگر آپکی نوکری ختم ہو گئی تو آپ سے کوئی چنے بھی نہیں خریدے گا

امریکی صدر جارج بش کی آمد پر بھی ڈاکٹر صاحب نے جان پر کھیل کر لاہور ایئرپورٹ پر ڈوئٹ ودامریکہ کے نعرے لگوائے اس پر بھی ڈاکٹر صاحب نے لمحہ بھر آرام نہیں فرمایا ایرانی صدر سید علی خامنہ ای کی آمد پر پاکستان میں ریکارڈ و تاریخی استقبال میں ڈاکٹر صاحب کا ہی مین رول تھا

تحریک جعفریہ نے سیاسی میدان میں قدم رکھا تو ڈاکٹر صاحب نے مجھے فرمایا کہ ملک اصغر علی جادہ یا تم ایم پی اے کیلئے کاغذات جمع کراؤ ہماری معذرت پر مرحوم و مغفور غلام عباس اعوان صاحب نے الیکشن میں حصہ لیا برات از مشرکین پر موصوف نے جان پر کھیل کر مرحوم و مغفور اعجاز علی شاہ صاحب کے ہمراہ مکہ معظمہ میں مثالی کردار ادا کیا جو باعث فخر ہے۔

85ء کے آخری دنوں امامیہ پبلیکیشنز میں تھوڑی سی بدمزگی کا ذکر میں ڈاکٹر صاحب کیا تو فرمایا جہاں۔۔۔۔۔ خیر باد کہ دینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے بطور ڈائریکٹر پبلیکیشنز مصباح القرآن ٹرسٹ جوائن کر لیا

میری معلومات کی حد تک کم از کم لاہور کی شاید ہی کوئی بستی ہو جہاں ڈاکٹر صاحب نے مومنین کو دعوت خیر نہ دی ہو

شہادت سے ایک دن پہلے مجھے فون پر حسب عبادت قبلہ و کعبہ و مکہ و مدینہ۔۔۔ کہہ کر مخاطب ہوئے تو جلدی سے بات کرنا چاہی میں نے کہا ڈاکٹر صاحب مجھے القابات کا مزا آنے لگا تو۔۔۔ فرماتے ہیں اور کیا مجھے ضروری بات کرنا ہے اکرم لاہوری دیکھا گیا ہے محتاط ہو جاؤ رضا کار بھی اطلاع کر دو میں نے کہا میں دفتر میں اکیلا ہی ہوں اور تمام دروازے کھلے ہیں آپ اس خبیث کو بھیجیں تا کہ اس کے سر پر اوپر سے اینٹ ماروں

تو کہتے ہیں میں نے آپ کو بتا دیا ہے

میں نے رضا کار فون کیا تو وہ رضا کار بھی فون کر چکے تھے اگلے روز صبح قیامت برپا ہو گئی کہ اپنے وفا شعار ساتھی آغا تقی حیدر کو ساتھ لیکر شہدائے کربلا سے ملحق ہو گئے

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی یادیں

تحریر: سید انجم رضا

شہید قوم میں قلب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح وجود میں قلب اپنا کام کرتا ہے اور پورے جسم کو لہو فراہم کرتا ہے، عین اسی طرح شہید بھی قوموں اور معاشروں کو خون دے کر شعور فراہم کرتا ہے، شہید ملتوں کو جگاتے ہیں۔ شہید شمع کی مانند ہوتا ہے جو خود تو جل جاتی ہے لیکن اندھیروں کو مات دے کر اجالا کر جاتی ہے۔ شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی بھی پاکستان کی ملت کے لئے ایسے شہید پر افتخار ہیں جنہوں نے اپنے خون سے ساری قوم کو بیداری کا شعور بخشا۔

ڈاکٹر شہید کی زندگی ہمارے لئے ایک عملی نمونہ ہے، انہوں نے حق کی پہچان کے بعد ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے کو حق کی توہین قرار دیا ہے شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی اپنی ذات میں ایک تحریک تھے۔ شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی نے مسلمان نوجوانوں کو انکے حقیقی دشمن یعنی عالمی استعماری قوتوں اور صیہونیزم کی سازشوں سے روشناس کروایا شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی نے عالمی استکبار کے مقابلے کیلئے پاکستان کی سرزمین پر شجرہ طیبہ کی بنیاد رکھی جسکا نام آئی ایس او ہے۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی زندگی کا ہر پہلو ہمارے لئے نمونہ عمل اور رہنمائی کا ذریعہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کا اخلاق، کردار، عمل، میل جول، برتاؤ، اٹھنا بیٹھنا، فلاحی امور کا نیٹ ورک، خدمت خلق سے سرشار معمولات، تعلیمی ترقی و پیشرفت کیلئے اسکول سسٹم کا نیٹ ورک، تنظیمی و تربیتی نشستوں کا احیا، نوجوانوں کی مختلف میدانوں میں مکمل مدد و تعاون، ذاتی و نجی معاملات میں لوگوں کی درست رہنمائی، دختران ملت کی فعالیت وقومی اجتماعی امور میں ان کی شرکت، ملت کے دفاع و بقا کیلئے خدمات، الغرض ہر حوالے سے ان کی خدمات قابل تقلید نمونہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی اپنی ذات اور صفات میں ایک ایسی ہمہ گیر شخصیت تھے کہ ایک پروفیشنل ڈاکٹر ہوتے ہوئے آپ ملت کے سماجی، سیاسی، قومی، ملی حقوق کا گہرا ادراک رکھتے ہوئے ہمیشہ ایک ایسا مبنی بر حقیقت

لائحہ عمل دیتے تھے محسوس ہوتا تھا کہ آپ ان تمام امور اور ان کے مسائل کے ماہر ہیں میری شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی سے پہلی ملاقات اپریل 1979 میں بھکر کنونشن کے موقع پہ ہوئی ،جہاں پہ آپ اور اس وقت کے آئی ایس او کے مرکزی صدر برادر بزرگ ثاقب نقوی آئی ایس او کے نوجوانوں کی قیادت کرتے ہوئے کنونشن کے تمام تر انتظامات سنبھالے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کو دیکھنا اور پہلی ملاقات مجھے آج بھی یاد ہے ،ایک دھان پان سا نوجوان بہت مستعدی کے ساتھ کنونشن کی اسٹیج پہ مصروف کار اور پنڈال میں موجود رضا کاروں کو ہدایات دے رہا تھا ،اور وہ سب اُسے ڈاکٹر صاحب کہہ کر بہت مؤدب انداز میں مخاطب کر رہے تھے

وہ آیا ،اس نے دیکھا ،اور فتح کر لیا ،ایک مشہور کہاوت ہے

اس کہاوت کے مصداق شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی نے اپنے ہنس مکھ انداز اور خندہ پیشانی سے ہم سب کے دل جیت لئے ۔شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی نے قائد مرحوم علامہ مفتی جعفر حسین کی قیادت کے اعلان کے بعد قائد مرحوم کا بھرپور ساتھ دینے کے عزم کو عملی طور پہ سچ کر دکھایا ۔

لاہور میں دیو سماج روڈ پہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا رابطہ دفتر قائم کیا گیا ،جو مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ کے انتقال تک کسی حد تک فعال رہا ۔

اپریل 1984 میں جب قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے سربراہ اور قائد ملت جعفریہ کے منصب پہ فائز ہوئے تو شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی نے شہید قائد علامہ عارف حسین الحسینی کا بھرپور ساتھ دیا اور لاہور میں دیو سماج روڈ پہ موجود دفتر کو تحریک کا صوبائی اور مرکزی رابطہ دفتر کی شکل دے دی گئی ،اور ملک بھر میں دیو سماج روڈ پہ تحریک کا مرکزی دفتر شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی رہنمائی میں ایک ایسا قومی مرکز بن چکا تھا جہاں ملی و قومی مسائل کے حل کے لئے بہت سے ادارے تشکیل دیئے گئے ،ملک بھر سے تنظیمی و ملی کارکن اس دفتر سے آشنا ہو چکے تھے

شہید قائد کی اندوہ گیں شہادت کے وقت آپ برات از مشرکین کی پاداش میں سعودی عرب میں قید تھے ،جب آپ رہا ہو کر پاکستان واپس آئے تو آپ نے شہید قائد کے جاری کردہ ادھورے کاموں کو پورا کرنے کی ٹھان لی ،آپ نے سابقین امامیہ سے روابط کو ایک نئی شروعات کی اور ہر سال پانچ اگست شہید قائد کی برسی کے موقع پر امامیہ کے ساتھ مل کر پیواڑ میں مزار شہید قائد پہ اکٹھا ہو کر تجدید عہد کرتے ۔

ڈاکٹر شہید نے اپنی زندگی میں امداد فاؤنڈیشن کے نام سے بھی ایک ادارہ بنایا تھا جو مستحق اور ضرورت مند لوگوں کی مدد کرتا تھا اس کے تحت قوم کی بچیوں کی شادی اخراجات سے لیکر اسیران ملت و متاثرہ خانوادوں کی امداد و بحالی کا سلسلہ جاری تھا اور بھی ایک لوگوں کو چھوٹے پیمانے پر کاروبار کروا کر ان کی مدد کی گئی ۔آج یہ ادارہ یا اس جیسا کوئی ادارہ کہیں نظر نہیں آتا اسی طرح ڈاکٹر شہید نے ایک اسکول سسٹم المصطفےٰ اسکول کے نام سے قائم کیا جس

کی بھی ایک برانچز ملک کے کئی ایک شہروں میں قائم کی گئی تھیں مگر صد افسوس آج یہ اسکول سسٹم بھی بند کر دیا گیا ہے ۔بلتستان کی ایک شخصیت کے ساتھ ملکر انہوں نے ایک ادارہ بلتستان کے طالبعلموں کی فلاح و بہبود کیلئے قائم کیا جس کا نام BEST رکھا تھا ۔

ڈاکٹر نقوی شہید اپنی ذاتی زندگی میں بھی تعلیم کے حوالے سے بہت حساسیت رکھتے تھے ،اور ہمیشہ اس بات پر فوکس رکھتے تھے کہ نوجوان تعلیم کو اپنی زندگی کی اولیں ترجیح بنائیں ،آپ ہمیشہ کہتے تھے کہ ایک اچھا صالح نوجوان جہاں بہترین فعال تنظیمی ہو اس کے لئے اپنی تعلیم پہلی ترجیح ہونی چاہیئے ۔

شہید ڈاکٹر صاحب کے دونوں بڑے فرزندان عزیزی محمد سلمان اور محمد دانش لاہور کے ایک بہت اچھے ادارے میں تعلیم حاصل کرتے تھے، مگر جب شہید ڈاکٹر صاحب نے اسلامک ایجوکیشنل کونسل قائم کرکے "المصطفیٰ ماڈل ہائی اسکول" شروع کیا، توجہ دلانے پر ڈاکٹر صاحب
نے اپنے دونوں فرزندان کا پرانا اسکول چھڑوا کر انہیں "المصطفیٰ ماڈل ہائی اسکول" میں داخل کروادیا۔

سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ذاتی زندگی میں اور قومیات میں انتہائی مصروف ہونے کے باوجود وقتاً فوقتاً راقم الحروف اور برادر مقدس کاظمی سے صرف اپنے بیٹوں کی ہی نہیں بلکہ اسکول کے تمام طلبا کی تعلیمی پراگرس سے بہت متعلق رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تجویز پر ہی لاہور میں 1992 میں المصطفیٰ اسکول کے اساتذہ نے برادر مقدس کاظمی اور برادر ڈاکٹر شفقت حسین کی سرکردگی میں میٹرک کے طلبا کا تین ماہ کا ڈے اینڈ نائٹ کیمپ لگایا اور رضاکارانہ طور پر ان بچوں کو تیاری کروائی، ڈاکٹر صاحب اس کیمپ میں عموماً سرپرائز وزٹ کرتے تھے، اور طلباو اساتذہ کی حوصلہ افزائی بھی کرتے، ساتھ ساتھ رہنمائی بھی، لطف کی بات یہ ہے کہ اس کیمپ میں تیاری کرنے والے تمام طلبا اول پوزیشن میں کامیاب ہوئے۔ ڈاکٹر شہید نے جو شعور دیا آج کا نوجوان بھی اسکو اپنا مشعل راہ بنا سکتا ہے ڈاکٹر شہید کی بہت زیادہ خدمات میں تعلیم سرفہرست ہے انہوں نے تعلیم کے حوالے سے بے مثال خدمات انجام دیں زندگی کے آخری ایام بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے تعلیم کو ہی ترجیح دی۔

ڈاکٹر صاحب کی زندگی کی آرزوؤں سے ایک بڑی آرزو پاکستان بھر میں ایک ایسے تعلیمی پراجیکٹ کا قیام تھا جس میں ملت کے بچے بچیاں وقت کے جدید تقاضوں کے مطابق ابتدائی سطح یعنی پرائمری سے لیکر اعلیٰ سطح یونیورسٹی، بہترین تعلیم حاصل کرسکیں۔

اگر شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی زندگی پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو وہ اپنی ذات میں چراغ ہدایت کے طور پر نظر آئیں گے یعنی ایسا روشنی کا مینار کہ جو خود بھی ہدایت یافتہ تھا اور دوسروں کو بھی ہدایت کی دعوت دینے والا۔

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی شہادت کو اٹھائیس برس گزر جانے کے بعد بھی ان کے افکار کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس کی جارہی ہے، اپنے شعبے سے انصاف کرنے والے ایک انتھک ڈاکٹر، ایک بے مثال استاد، ایک شفیق دوست، ایک وطن دوست غیور انسان تھے۔

آج شہید ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کے افکار ہمارے پاس ہیں، وہ اپنی اعلیٰ سوچ اور خدمات کی بدولت ہم میں زندہ ہیں اور ان شہدا کا تذکرہ ہماری ذمہ داری ہے، ان کی فکر کو آگے بڑھانے کیلئے ہمیں ہی کردار ادا کرنا ہے، اس کے لئے پہلے ہمیں خود فکر شہید سے آشنا ہونا ہوگا، تاکہ ہم اسے بہتر انداز میں آنے والی نسلوں کو منتقل کرسکیں۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی کی وصیت کا یہ جملہ ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے
خوش بختی ہے ان لوگوں کے لئے جو باصلاحیت اور باشعور لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اور ہلاکت ہے ان کیلئے جو اپنے سے کمتر کے ماحول میں پروان چڑھتے ہیں۔

نکتہ داں، نکتہ سنج، نکتہ شناس — پاک دل، پاک ذات، پاک صفات
یاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم — یاں اگر ذات تھی تو اس کی ذات
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید

تحریر: سید فرخ رضا ترمذی کبیر والا

سات مارچ 1995 کی صبح نوجوانوں کے قلوب کو انقلاب کی حقیقی حدت بخشنے والے جس خورشید کو چوک یتیم خانہ میں غروب کر دیا گیا اس کی روشنی آج بھی نوجوانوں کی زندگیوں کو منور اور دلوں کو عشق انقلاب مہدی کی حدت بخش رہی ہے۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی ہی وہ روشن آفتاب تھے کہ جنہوں نے پاکیزہ ترین حیات بسر کی آپ کی تربیت ان پاکیزہ نفوس نے کی کہ جن کے قلوب و اذہان نے نجف و کربلا کے مبارک موسموں میں بالیدگی حاصل کی تھی۔ آپ کا نام اس بزرگوار شخصیت نے تجویز کیا کہ جو تقوی الہی کے حقیقی رنگ میں رنگا ہوا تھا اور دنیاوی طمع و ہوائے نفسانی جس سے کوسوں دور تھی جس کا ہدف صرف اور صرف علوم اہلبیت کی ترویج تھی۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی عشق امام خمینی اور عشق شہید حسینی سے سرشار تھے اور ان کے راستے کے حقیقی پیرو تھے۔ کربلا و نجف سے ان کا عشق اور شہادت ان کی خواہش تھی۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی سے میری ابتدائی ملاقاتیں 84-1983 کے زمانے میں ہوئی جب میں میٹرک کرنے کے بعد کالج میں داخل ہوا اور آئی ایس او کا حصہ بنا اور پھر ان سے یہ رابطہ ان کی شہادت تک قائم و دائم رہا۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی نے ہمیشہ ایک شفیق استاد کی طرح تربیت کی۔ ایک مہربان بھائی کی طرح خیال رکھا۔ ایک ذمہ دار والد کی طرح رہنمائی کی اور غلطیوں پر سرزنش بھی کی اور ایک مخلص دوست کی طرح ساتھ دیا۔ ڈاکٹر شہید کے ساتھ متعدد سفر کیے جن میں شہید نے ہمیشہ شخصیت کو سنوارنے اور ہدف اور مقصدیت کے ساتھ جڑنے کی طرف راغب کیا آپ جب بھی کبیر والا آئے تو ہمارے گھر "المرتضی" پر قیام کرتے تھے اور ہمیشہ انجم بھائی اور مجھ سے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کرتے تھے جب میں نے لاہور میں کچھ برس قیام کیا تو اس دوران ڈاکٹر صاحب نے ہمیشہ میرا دھیان رکھا اور ضروریات کے حوالے سے خود پوچھتے رہتے تھے۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی ایک بیدار مغز اور متحرک شخصیت تھی۔ کبھی ان کے کسی ساتھی نے انہیں بے کار بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا وہ اپنا کوئی لمحہ ضائع نہیں کرتے تھے وہ اپنی ملازمت کو بھی پورا وقت دیتے تھے اور اپنی تنظیمی ذمہ داریوں

سے بھی بخوبی عہدہ برا ہوتے تھے ۔ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید نوجوانوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دیتے تھے اور ذاتی طور پر اپنی گفتگو میں اور عمومی محفلوں میں غیر رسمی انداز میں تربیت ہی کر رہے ہوتے تھے۔ کبھی انہیں کسی نے فضول و بے مقصد گفتگو کرتے نہیں دیکھا۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی خود نمائی سے دور رہتے تھے بڑے بڑے اجتماعات کی کامیابی کے پیچھے ان کی شخصیت ہوتی تھی مگر وہ خود کو کبھی اس میں نمایاں نہیں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب دوستوں نے ان کے آثار جمع کرنے شروع کئے تو بھرپور تنظیمی اور تحریکی زندگی کے باوجود ان کی تصاویر بہت کم ملیں اور روڈیو یا آڈیو بھی کم ہی دستیاب ہوئیں ۔ان کے آثار ان کا کام اور

وہ نوجوان ہیں جن کی تربیت انہوں نے کی ۔ان کے آثار میں ایک اہم ترین آئی ایس او ہے۔ جس کی بنیاد انہوں نے رکھی مگر زندگی بھر کبھی اس کا کریڈٹ لینے کی خواہش نہیں کی کیونکہ وہ ہدف پر یقین رکھتے تھے ۔انہوں نے آئی ایس او کو ایک ماں کی طرح پروان چڑھایا اور ہر مشکل موقع میں آئی ایس او کے لئے ڈھال بن کر رہے ۔وہ آئی ایس او کے نوجوانوں کے لئے ایک شجر سایہ دار تھے جو انہیں شدید دھوپ اور گرم ہواؤں سے بچا کر رکھتا تھا۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی حقیقی عاشق امام خمینی اور پیروکار تھے ۔آپ نظام ولایت فقیہ پر دل سے ایمان رکھتے تھے اور امام کے حکم کی حقیقی اور عملی انداز سے اطاعت کرتے تھے جس کا ایک اظہار حج کے موقع پر برات از مشرکین کے لئے خود کو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ میدان میں حاضر کرنا تھا یقین رکھتے ہوئے کہ اس کا نتیجہ موت بھی ہو سکتا ہے مگر وہ چونکہ شہادت کو کامیابی کا راستہ سمجھتے تھے لہذا کبھی کسی پر خطر کام کو کرنے سے نہیں گھبرائے ۔اس موقع پر ڈاکٹر محمد علی نقوی اور ان کے ساتھی اسیر ہو گئے تھے مگر پروردگار نے انہیں باقی رکھنا تھا تو انہیں جیل سے رہائی ملی ۔ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید حسینی کے دست راست رہے اور ان کے دور قیادت کے ساڑھے چار برسوں میں جس طرح انہوں نے تحریک کے لئے کام کیا اس نے تحریک کو ہر شیعہ کی تنظیم بنا دیا اور پوری ملت کو قائد شہید اور تحریک کے ساتھ جوڑ دیا۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی کا راستہ آج بھی زندہ ہے

شریک بزم دل بھی چراغ بھی ہیں پھول بھی مگر
جو جان انجمن تھا وہ کہاں چلا گیا۔

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی یاد میں

ہر جا ترے جمال کے روشن چراغ ہیں
تیرے سبھی کمال کے روشن چراغ ہیں
کردار تیرا زندہ رہے گا سدا یونہی
تجھ جیسے خوش خصال کے روشن چراغ ہیں
آنکھیں تمہاری یاد میں رہتی ہیں اشکبار
دل میں ترے خیال کے روشن چراغ ہیں
ظالم کے سامنے نہ جھکانا کبھی بھی سر
اس درسِ بے مثال کے روشن چراغ ہیں
دل میں تمہارے عشق علی و حسین تھا
اس عشق لازوال کے روشن چراغ ہیں
کتنے ہی سال بیت گئے ہیں جدائی کے
لیکن ترے جمال کے روشن چراغ ہیں
قربت تمہاری دیتی تھی سب کو عجب سرور
اس قرب بے مثال کے روشن چراغ ہیں

فرخ رضا ترمذی

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی تحرک و فعالیت

سید منصور حسین نقوی

جناب برادر محترم نثار ترمذی صاحب کی کال آئی کہ میں شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی زندگی کے حوالے سے اور خصوصاً ان کے ساتھ ایک قریبی تعلق رہا ہے اپنے خیالات لکھوں کافی دن میں اسی سوچ و بچار میں رہا کہ شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کے بارے میں کیا لکھوں بہت کم لوگ اس دنیا میں ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں لکھنا بولنا اور کچھ کہنا بہت محال ہوتا ہے اور انہیں میں شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی ہیں ہر پہلو سے اور زندگی سے ایک کامل انسان تھے پوری زندگی ایک متحرک اور ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف دیکھا میرا تعلق شہید سے غالباً 1974 سے ہے پہلی ملاقات میں شہید کے ساتھ ڈاکٹر نور محمد اور انجینئر علی رضا نقوی تھے اور پھر اس کے بعد ملاقاتوں اور تعلقات کا سلسلہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا آئی ایس سے مرکزی کنونشن پر یا کسی قومی پروگرام میں شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی سے ملاقات اور نشست ضرور ہوتی۔ میری تنظیمی تربیت میں جہاں دیگر کئی اشخاص کا کردار شامل رہا ہے وہاں پر ڈاکٹر شہید کا حصہ نمایاں ہے

1979 میں بھکر میں منعقد پہلے کنونشن میں ڈاکٹر شہید کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقعہ ملا تو بہت سارے پہلو سامنے آئے تھکاوٹ کے باوجود اول وقت میں نماز پڑھنا شب بیداری اور دعاؤں میں مشغول رہنا یہ معمول تھا رہبر انقلاب حضرت امام خمینیؒ سے والہانہ عقیدت اور ان کے ہر حکم کی تعمیل واجب سمجھتے تھے

1984 میں قیادت کے چناؤ اور انتخاب میں بھرپور کردار ادا کیا پوری زندگی میں علماء کے احترام کو فوقیت دی۔ شہید قائد علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ کے قائد بننے کے بعد لاہور میں بیو سکا صوبائی دفتر بنایا گیا۔ جب بھی لاہور صوبائی دفتر جاتا ہوا شہید ڈاکٹر کو فعال دیکھا پوسٹر چھپوا رہے ہیں لگوا رہے ہیں اور اس نیک کام میں ہمیں بھی شامل کر لیتے اور ان کا یہ جملہ کہ تنظیمی فرد کبھی مہمان نہیں ہوتا تنظیمی فرد کو پروٹوکول دینے میں وقت ضائع نہ کریں بلکہ اس سے کام لیں فارغ نہیں رہنا چاہیے

ملکی حالات، سماجی تعلقات دینی مسائل سیاسی صورتحال اور قومی ضروریات کو بہت اچھے طریقے سے جانتے تھے اور ہر وقت قوم کی ترقی کے بارے سوچتے رہتے تھے

جب بھی ملتان یا جنوبی پنجاب کے دورہ پر آتے تو ملاقات ہوتی بلکہ بعض دفعہ ساتھ بھی لے جاتے تھے اور قومی ملکی اور بین الاقوامی حالات پر تفصیلی بات چیت کا موقعہ ملتا تھا اور اس وقت ملکی صورتحال سے بہت زیادہ پریشان رہتے تھے ملت کے اندر بیداری پیدا کرنے کیلئے اور قوم کو متحرک اور قومی جماعت کو منظم کرنے کیلئے دن رات مصروف رہے۔ شہید کی قومی خدمات کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا شہید کے تحرک اور فعالیت کی وجہ سے بہت سی طاقتوں کی آنکھوں کا کانٹا تھے

ایک بہترین دوست اور بھائی تھے۔ دوستوں اور تنظیمی احباب کے ذاتی مسائل کے حل کیلئے اپنی پوری توانائیاں صرف کرتے

میرا تعلق شہادت تک ساتھ رہا۔ شہید ڈاکٹر کی شہادت کی خبر مجھے ملتان میں ملی تو صرف میں نہیں میرا پورا خاندان علاقہ اور قوم سکتے کے عالم میں تھے

صرف شہید ڈاکٹر کی اولاد یتیم نہیں ہوئی بلکہ ہم سب یتیم ہو گئے تھے سی دن لاہور پہنچے اور آخری دیدار کیا۔ آج قوم کا ایک حقیقی غمگسار جدا ہو گیا تھا

شہید ڈاکٹر ایک کامیاب انسان تھے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہا جا رہا

بہت زیادہ مرتبہ اکٹھے سفر کیا کئی تنظیمی پروگراموں میں اکٹھے رہے ہمیشہ ایک بڑے بھائی کا پیار پیار اور رہنمائی ملتی رہی اللہ پاک شہید کے درجات بلند فرمائے امین

اور ہمیں شہید کے رہنما اصولوں پر چلتے ہوئے اس مظلوم قوم کی خدمت کرتے رہنی چاہیے

چند یاداشتیں

ہاشم رضا جھنگ

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کے نام سے آشنائی

غالباً 1978 کی بات ہے۔ iso کا ایک اجلاس امام بارگاہ حیدریہ امین پور بازار فیصل آباد میں جاری تھا۔ نعیم مرحوم جو کہ میں سپروائزر تھے اور اپنی حادثاتی موت سے قبل 500 ہو گئے تھے انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آج iso کا اجلاس ہو رہا ہے۔ کیا تمہیں علم ہے میں نے نفی میں جواب دیا۔ وہ بولے آو چلتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو جناب تقی علی نقوی مرکزی صدر iso کرسی صدارت پر رونق افروز تھے اور جناب کاظم الحسنین جو کہ آئی او کے تھے وہ خطاب کر رہے تھے دو اجنبیوں کو دیکھ کر محمد حسنین خان جو کہ زرعی یونیورسٹی میں DUM کے طالب علم تھے اور کا تعلق شمالی علاقہ سے تھا وہ ہمارے پاس آئے اور تعارف مانگا مرکزی صدر نے معاملے کا انداز ہ لگا کر فرمایا کہ ان سے تعارف مت کریں یہ امامیہ مسجد لاہور میں ملتے رہتے ہیں اور فرمان معصوم ہے کہ جس کو مسجد میں دیکھو اس کے ایمان کی گواہی دو

دوران خطاب کاظم الحسینی صاحب نے بیان کیا کہ ہم ایک بار ایک وکیل صاحب کے پاس گئے۔ وکیل صاحب نے انگلش میں گفتگو شروع کر دی ہمارے ساتھ ڈاکٹر محمد علی نقوی تھے انہوں نے بھی جواباً انگلش میں اپنا مدعا بیان کیا تو وکیل صاحب پنجابی میں بولتے ہوئے پہلی مرتبہ تھی جب میں ڈاکٹر محمد علی نقوی کا نام سنا۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کا دیدار

1979 میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے سٹوڈنٹ ٹیچر سنٹر میں ISO سرگودھا ڈویژن کے زیر اہتمام ایک یک روزہ تربیتی و تعارفی سیمینار منعقد ہوا۔ جناب ریاض احمد سیال ڈویژنل صدر تھے اس پروگرام میں جناب تقی علی نقوی نے اپنا کلام لی خسر اٹھی بھاننا کر سامعین کو گرمایا نقیب سیمینار جناب اعجاز ملک تھے ڈاکٹر غلام شبیر سبزواری بھی تھے ڈاکٹر محمد علی نقوی کو پکارا گیا کہ وہ آئیں اور تمباکو نوشی کے نقصانات پر گفتگو کریں وہ ڈائس پر آئے اور انہوں نے تمباکو میں موجود نکوٹین اور کاربن کے نقصانات بتائے پھر انہوں نے کسی سے بھی رومال لیا ایک سگریٹ سلگا کر اس کا کش لگایا اور دھواں رومال میں سے گزارا۔ دھوئیں کی وجہ سے رومال پر بڑا سا کالا دھبہ بن گیا انہوں نے کہا کہ اسی طرح کے اثرات پھیپھڑوں پر مرتب ہوتے ہیں مجھے ان کا جملہ بخوبی یاد ہے۔ انہوں نے کہا اگر آپ نے ایف ایس سی پڑھ کر پاس کی ہے تو کاربن کی خصوصیات سے آپ آگاہ ہوں گے یہ تھا ڈاکٹر محمد علی نقوی کا پہلا دیدار پھر ملاقاتوں کا سلسلہ 1995 تک جاری رہا ان سے ملاقات کے بعد اتنی توانائی حاصل ہوتی تھی کہ کافی عرصہ تنظیمی امور کی انجام دہی جاری رہتی تھی اور اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے

امین

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید

کہاں اور یہ جہاں خراب یہی ممکن تھا اتنی عجلت میں

امتیاز شیخ لاہور

رب کائنات کی بڑی بڑی نعمتوں میں شاید سب سے بڑی نعمت انسان کی زندگی ہے ۔ کہ باقی نعمتیں انسان کو پیدا ہونے کے بعد ملتی ہیں اپنی نعمتوں میں صحت بہت بڑی نعمت ہے صحت کا تعلق انسان کی فزیکل اور مینٹل صحت کے ساتھ ہے فزیکل صحت سے بھی زیادہ ضروری اور اہم ہے مینٹل ہیلتھ انسان کی زندگی کا راستہ معین کرتی ہے اور وہ اپنی عقل و دانش سے رب کائنات کا پہچانتا ہے اور زندگی گزارنے کے لیے راستہ تلاش کرتا ہے انسان کیونکہ بنیادی طور تنہا نہیں رہ سکتا اور رب باری تعالی کتاب الہی میں فرماتے ہیں میں نے تمہیں قبائل میں پیدا کیا ۔ جب انسان اپنی زندگی کا راستہ تلاش کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے تو اس کا مقدر اور تقدیر اس کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں ۔ تلاش حیات میں دو اہم ترین پہلو ہیں ۔ اولین پہلو یہ ہے کہ ہم مسلمان پیدا ہوئے اور زندگی کا راستہ تلاش کرتے ہوئے ہم ایک منظم تنظیم یا مقدر میں گروہ سے جا ملے اور اسی کا اپنا راستہ بنا کر زندگی گزارنے آگئے

جب انسان کسی تنظیم کا ممبر یا رکن بنتا ہے اس تنظیم کے دستور کو تسلیم کرتا ہے اور اُسے لیکر آگے بڑھتا ہے اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں اپنے تنظیمی سینئر ساتھیوں کا بہت احترام کرتا ہوں اور اُن کو استاد کے درجے پر رکھتا ہوں انہی استادوں میں ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید سر فہرست ہیں میں اُن خوش قسمت افراد میں سے ہوں جو ڈاکٹر صاحب سے فیض یاب ہوئے جب بھی ڈاکٹر صاحب سے فیض یاب ہوئے ۔ جب بھی ڈاکٹر صاحب سے سامنا ہوتا ۔ ہماری روح کی تسکین ہو جاتی ۔ ایک خوبصورت ہنستا مسکراتا چہرہ جو کہ شاید بنا ہی شہادت کے لیے تھا ۔ جب ہم سب دوست ڈاکٹر صاحب کی غیر موجودگی میں اُن کے بارے میں بات کرتے تو سب کا یہی خیال ہوتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے واقعی اپنی ذات کو امام خمینیؒ کی ذات میں ضم کر لیا ہوا تھا اور اسی بات کی تاکید کرتے کہ اگر آپ لوگوں نے انقلاب اسلامی کو سمجھنا ہے تو امام خمینیؒ کو سمجھو ۔

اپنی ذات کو امام خمینیؒ کی ذات میں ضم کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب خط امام پر رواں دواں تھے اور ہم لوگوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا درس دیتے راہ حق پہ چلتے ہوئے جن چیزوں کی سب سے زیادہ تاکید فرماتے اُن میں نماز اور

ماہنامہ افکار العارف لاہور

مارچ 2023

سٹڈی کے ساتھ ساتھ اپنی تنظیمی ذمہ داریاں تھیں اور یہ صرف تاکید کی حد تک نہ تھا بلکہ وہ خود اسی ترتیب سے عمل پیرا ہوتے۔ انقلاب اسلامی کے لیے

ڈاکٹر صاحب کی عملی خدمات کو صدیوں یاد رکھا جائے گا۔ خدمات کے دو ادوار ہیں۔ ایک دور وہ ہے جو کہ قائد شہید عارف حسین الحسینیؒ کے قائد منتخب ہونے سے پہلے کا ہے اور دوسرا دور قائد شہید کے قائد منتخب ہونے کے بعد سے لیکر شہادت تک کا ہے۔

ان دونوں ادوار میں ڈاکٹر صاحب تحریک ہو۔ آئی او ہو یا آئی ایس او ہو ہمیں ریڑھ کی ہڈی نظر آئے۔ کیونکہ کوئی سلسلہ ہو ڈاکٹر صاحب کی مشاورت کے بغیر پایہ تکمیل تک نہ پہنچتا تھا۔

میں نے ذاتی طور پہ ڈاکٹر صاحب کی جو سب سے بڑی خوبی دیکھی وہ بہ یک وقت رہنما اور ورکر ہونا ہے۔ یہی خوبی مینار پاکستان کانفرنس میں کھل کر سب کے سامنے عیاں ہوئی گمراہی کے اندھیروں میں سچے دین کی روشنی اور آگاہی انقلاب اسلامی کی روشنی اسی عظیم شخصیت کے ذریعے سے پائی

اور میں تو ذاتی طور پہ یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ اگر میں ڈاکٹر صاحب سے فیضیاب نہ ہوا ہوتا تو شاید دنیاوی مسائل میں گھیر کر اندھیروں میں گم ہو چکا ہوتا ڈاکٹر صاحب کے ذریعے میں نے بہت بڑی بڑی سعادتیں حاصل کیں۔ جس میں سب سے بڑی سعادت امام خمینیؒ کی رحلت پہ جو تعزیتی وفد ایران گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے اور میرے چار مزید دوستوں کو بھجوایا۔ جس میں ہمیں امام خمینیؒ کے بڑے بیٹے احمد خمینیؒ اور امام خمینیؒ کے استاد آیت اللہ اراکی۔ صدر جمہوریہ اسلامی ہاشمی رفسنجانی اور سب سے بڑھ کر رہبر کا خطاب لائیو سننے کا موقع ملا جس میں ہمارے وفد کو سب سے قریب جگہ ملی اسی وفد میں ہونے کی وجہ سے پہلی دفعہ زیارت امام ہشتم، امام علی رضا علیہ السلام اور دیگر زیارت ایران نصیب ہوئیں۔ یوں میرا راستہ کھل گیا اور آئندہ آنے والے وقت میں 6 سال تک مسلسل امام خمینیؒ کی برسی کے وفد میں جانے کا اتفاق ہوتا رہا اور اسی طرح مزید شخصیات سے ملنے کی سعادت حاصل ہوتی رہی یوں ہمیں انقلاب اسلامی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ سب اسی شخصیت کی وجہ سے ممکن ہوا جس کا نام ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید ہے۔

ایک اور سعادت بلکہ جیت جو کہ آئی ایس او کی جیتی جاگتی شکل میں ڈاکٹر شہید کا ورثہ ہمیں میسر ہوئی سب ڈاکٹر شہید کی بدولت ہے

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں ڈویژنل دفتر میں بیٹھا کسی پروگرام کے خطوط پہ ایڈریس لکھ رہا تھا اور ٹکٹ چسپاں کر رہا تھا" ڈاکٹر صاحب تشریف لائے اور پوچھا کہ کس پروگرام کے خطوط ہیں۔ میں نے بتایا تو فرمانے لگے میں ابھی آتا ہوں۔ اور جا کر تین چار فون کالز کرنے کے بعد واپس آئے اور وہاں جتنے دوست موجود تھے سب کو لیا اور آ کر میرے ساتھ بیٹھ گئے اور مجھ سے ٹکٹیں لے کر سب دوستوں میں تقسیم کیں اور خود بھی ہمارے ساتھ ٹکٹیں چسپاں کرنے لگے یوں دو گھنٹے کا کام منٹوں میں ہو گیا اسی طرح ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ تشریف لائے تو ان کے لیے فون کال آئی۔ بات کرنے کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ امتیاز اپنی بائیک نکالو مجھے انارکلی تک جانا ہے۔ اکثر اوقات ڈاکٹر صاحب جب ہسپتال سے تشریف لاتے تو اس کے بعد اگر قریب جانا ہوتا تو وہ گاڑی استعمال نہ کرتے اور ہمارے اصرار کے باوجود فرماتے کہ نہیں نزدیک بائیک پہ جا سکتا ہوں گاڑی کا پیٹرول کیوں خرچ کروں تو جولائی کی کانفرنس مینار پاکستان انکی 7 ماہ کی انتھک کوشش سے ہی کامیاب ہوئی لیکن جو آخر کے 7 دن تھے ہم لوگوں نے لمحہ بھر کے لیے بھی ڈاکٹر صاحب کو آرام کرتے نہ دیکھا ویسے تو کوئی بھی پروگرام ہو ڈاکٹر صاحب کے بغیر نامکمل تھا لیکن بہرحال ان کی قسمت میں شہادت تھی اور ہماری آئی ایس او اسی شہادت کا دنیاوی ثمر ہے   والسلام

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید
چند یادیں چند باتیں

ڈاکٹر اعجاز لاشاری، نصیر آباد بلوچستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انا للہ وانا الیہ راجعون

سب سے پہلے برادر عزیز سید ثاقب اکبر نقوی کی وفات حسرت آیات پر آپ سب کی خدمت میں پرسہ و تعزیت پیش کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ خداوند متعال انہیں جوار ائمہ علیہم السلام میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔ جس شخصیت پر مجھے لکھنے کے کہا گیا ہے وہ ایک ایسا بڑا نام ہے جس کے بارے میں لب کشائی کرنے کے لیے اپنے اندر وہ سکت و توانائی محسوس نہیں کر رہا۔ کچھ لوگ اپنی ذات میں ایک ادارہ ہوتے ہیں، انجمن ہوتے ہیں یا تاریخ ساز شخصیت ہوتے ہیں۔ شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں بھی انقلاب آیا، سیاسی پارٹیاں وجود میں آئیں، پہلے پارٹیاں وجود میں آئیں بعد میں طلبہ ونگز قائم کیے گئے۔ مثلاً نیشنل عوامی پارٹی (NAB) کا پٹھانوں اور پختونوں پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور بلوچوں میں بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن وجود میں آئیں۔ پہلے پیپلز پارٹی وجود میں آئی بعد پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی دور اندیش اور انقلابی شخصیت نے پہلے آئی ایس او کی بنیاد رکھی۔ آئی ایس او نے پورے ملک میں تمام تعلیمی یافتہ طبقوں کو بلکہ ہر جگہ پے افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا اور بجلکر کنونشن کروا کے ملت کو ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید رح سے میری پہلی ملاقات 1978ء میں قندھاری امام بارگاہ، علمدار روڈ کوئٹہ میں ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے ہمیں آئی ایس او میں شمولیت کی دعوت دی۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کی کہ میں اس وقت بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن BSO میں ایک اہم عہدے پر فائز ہوں۔ میں وہاں رہ کر آئی ایس کی حمایت کرتا رہوں یہ میرے خیال میں بہتر ہوگا۔ اس وقت بعض شرکاء اجلاس نے میری رائے کی مخالفت کی۔ بحث بڑھی تو میں نے کہا بلوچ تنظیم اور شیعہ تنظیم دو الگ الگ شے ہیں۔ ایسی بات نہ کریں کہ جو سب کے لیے باعث تکلیف ہو۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب نے مجھے بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن میں کام کرنے کی اجازت دے دی۔ میں انہیں بتایا کہ اس وقت بولان میڈیکل کالج کی یہ صورت حال ہے کہ وہاں نوٹس بورڈ پر صرف بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن اور پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے پیغامات و نوٹس لگ سکتے ہیں۔ میں وہاں رہ کر آئی ایس او کی زیادہ مدد کر سکتا ہوں۔ مجھے کچھ وقت دیں میں اپنے دعوے کو ثابت کروں گا اگر نہ کر سکا تو دوبارا فیصلہ کے لیے آپ کے پاس لے آؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب کی اعلیٰ ظرفی دیکھیں کہ میری بات مان لی۔ اس کے بعد وہاں امامیہ طلبہ کے لئے باقاعدہ دعائے کمیل و

حدیث کساء کا سلسلہ شروع کروایا۔ یہ پروگرام ہفتہ کے آخری دن منعقد ہوتا تھا۔ الحمدللہ امامیہ طلبہ منسلک ہوتے گئے۔ اسی اثنا میں ڈیرہ بگٹی کی سیٹ سے سیٹ پر ایک سید کو داخلہ ملا جس عوام وطلبہ نے محاذ بنالیا۔ جس میں نے حکمت عملی سے طے کروایا کہ اس مرتبہ جو ہوا سو ہوا۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ یوں ایک سید ڈاکٹر بن گیا اور اب بھی ایک ضلع میں اعلیٰ پوسٹ پر کام کر رہا ہے۔ الحمدللہ اگر میں بلوچ تنظیم میں نہ ہوتا تو ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔ اس کے بعد پھر نشست ہوتی اور مجھ پر زور دیا گیا کہ اپنی توانائیاں بی ایس ایف کے بجائے آئی ایس پر لگائیں۔ میں نے کہا کہ یہ فیصلہ پہلے ہو چکا ہے اور ڈاکٹر صاحب بھی متفق ہیں تو مجھے مجبور نہ کریں۔ جب چھ جولائی 1985 کو سانحہ کوئٹہ ہوا تو انہی دنوں ایم آر ڈی کی مرکزی میٹنگ کوئٹہ میں منعقد ہو رہی تھی۔ جس ملک بھر سے ٹاپ موسٹ لیڈر شپ موجود تھی۔ جس میں جناب غوث بخش بزنجو، خان عبدالولی خان، مولانا کوثر نیازی، بیگم نصرت بھٹو، جنرل ٹکا

خان اور مولانا فضل الرحمان موجود تھے جب کہ صرف جماعت اسلامی نہیں تھی۔ یہ بات مبنی برحقیقت کہ جناب غوث بخش بزنجو نے مجھے اپنا منہ بولا بیٹا کہتا تھا اور میں بھی ان ایک سیاسی استاد کی سطح کا مقام دیتا تھا۔ جب وہ کوئٹہ میں ہوتے میں ان کے ساتھ رہتا۔ میں نے ان سے گزارش کی کہ اتنا بڑا سانحہ ہوا۔ اتنے لوگ شہید ہوئے ہیں۔ ان کی فاتحہ خوانی حجاری امام بارگاہ میں منعقد ہو رہی ہے۔ ایم آر ڈی کے اس مرکزی وفد کو وہاں جا تعزیت کرنی چاہیے اور حکومتی اقدام کی مزمت کرنی چاہیے۔ آپ کا یہ جنرل ضیاء کے منہ پر طمانچہ ہوگا۔ ایسا ہی ہوا۔ سب لوگ گئے۔ یہ بات ڈاکٹر صاحب کو بتائی تو انہوں نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ میں تعلیم مکمل کر کے ملازمت میں آگیا مگر میں اپنا تعلق کسی طرف سے بھی منقطع نہیں کیا۔ جب امامیہ آرگنائزیشن کا مسئلہ ہوا اور امامیہ کا سلسلہ شروع ہوتب بھی ڈاکٹر صاحب نے رابطہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب سے بعض اوقات اختلاف بھی ہو جاتا۔ ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ اب ہمیں ہنگامی وانقلابی اقدام کرنے چاہئیں ورنہ یہ خاموشی ہمیں لے ڈوبے گی۔ میں نے اپنے موقف میں ایک بلوچی زبان کا شعر سنایا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اسے بلوچی سمجھوں یا فارسی۔ میں نے کہا یہ بلوچی زبان کا شعر ہے۔ آپ نے کہا کہ پھر اس شعر کا ترجمہ کر دیں۔ میں نے کہا کہ ترجمہ نثر میں کروں یا نظم میں۔ کہنے لگے شعر میں ہو تو کیا ہی بات ہے۔ میں نے درج ذیل شعر سنایا۔ ستون دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے ڈاکٹر صاحب نے بہت دعائیں دیں۔ ایسے لگ رہا تھا کہ آپ کے اندر جو تڑپ تھی اس میں مزید اضافہ ہوا۔ اس کے بعد آپ نے جو خطاب کیا اس نے ہمارے قلوب کو گرما دیا۔ اس کے بعد بھی رابطہ رہا۔ ہم نے مشورہ دیا کہ ازسرِنو کام کا آغاز کیا جائے۔ آپ آمادہ بھی تھے مگر بعض دوستوں نے کہا کہ انتظار کرنا چاہیے۔ میں نے کہا کہ ہمیں اپنے حصے کا کام کرنا چاہیے۔ ابھی یہ کام پراسس میں تھا کہ عالم استکبار کے ہاتھوں، ضمیر فروش اور اسلام فروشوں کے ہاتھوں سے ڈاکٹر صاحب اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ وہ وہ وقت تھا کہ جب ہم نے خبریں سنیں تو شہید حسینی رح سے بڑھ کر ہمیں ایسا لگا کہ کسی نے ہم پر گرا دیا ہو۔ جب یہ کہرام برپا تھا تو میری والدہ مرحومہ نے کہا کہ کیا ہوا تو میں نے ساری صورتحال بتائی کہ یہ سانحہ گزر گیا ہے۔ تو انہوں نے کہا یہ حکومت نے کرایا ہے۔ اس لیے ان کے بھائی کو بھی مار دیا جائے گا۔ میں نے وضاحت کی کہ اس میں بے نظیر بھٹو کی حکومت ملوث نہیں ہے بلکہ یہ کچھ اور سلسلہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا سوائے اس کے

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کے شہید رفقاء

از: علی پردیسی

شہید ڈاکٹر نقوی کے شہید رفقاء یہ ایک منفرد سا موضوع ہے جس کی اہمیت سے کسی بھی طور انکار نہیں کیا جا سکتا بالخصوص شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کا خصوصی شمارہ ہو اور ان کے شہید رفقا کا تذکرہ نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے، ویسے بھی شہدا ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں، رہبر معظم کے بقول کہ شہدا کی یاد منانا کسی طرح بھی شہادت سے کم نہیں۔ میری نظر میں شہدا کے مشن و راہ کی طرف راہنمائی کرنا، ملت کو آشنا کرنا، شہادت کا ذوق وشوق اور جذبہ پیدا کرنا، شہدا کی قدر و منزلت قوم کے اندر تبلیغ کرنا، شہدا جیسی صلاحیتوں کے مالک افراد کو حوصلہ دینا اور ذہن سازی کرنا ہی تو شہدا کی یاد منانا ہے۔ شہید بزرگوار شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی ہمیشہ مندرجہ بالا کاموں کو اپنے مشن کا حصہ سمجھتے اور اس پر عمل کرتے نظر آئے۔ آپ ہمیشہ شکستہ دل، باصلاحیت افراد کو حوصلہ دیتے، حتیٰ اپنے وصیت نامہ میں خوشبختی کا مصداق بھی اپنے سے باصلاحت افراد کے ساتھ زندگی گزارنے کو قرار دیا۔ اور ذلت و ہلاکت اپنے سے کم تر ماحول میں پروان چڑھنا۔ ڈاکٹر شہید محمد علی نقوی، سیاسی، نظریاتی، تربیتی، تدریسی، دفاعی اور فرہنگی میدانوں میں اپنی شرعی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ہمیشہ پیش پیش نظر آئے، لیکن مبالغہ نہیں ہوگا اگر یہ کہہ دوں کے تمام میدانوں میں صف اول میں نظر آتے اور جبھہ مقامت کے ہراول دستہ کے سالار رہے۔ ملت سے محبت اور انکی مشکلات کو حل کرنے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے، کہا بھی کرتے تھے کہ جو جتنا آگاہ ہے اسے اتنا ہی ذمہ دار ہونا چاہئیے۔ ملت کے وہ افراد کہ جنہوں نے ڈاکٹر شہید کو ایک دفعہ یا اس سے زیادہ بار دیکھا ہو، وہ ان کا شیدائی ہو جاتا، چونکہ وہ اپنی گفتار اور عمل میں یکساں ہوتے، ہمیشہ گفتگو مختصر و جامع فرماتے۔ اتنا اسان فہم طریقہ ہوتا کہ ہر سطح کا بندہ انکے خلوص، محبت، اور درد کو بالکل ٹھیک سمجھتا۔ کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ سامنے خطرات ہوں اور وہ اپنے کو یہ تاویل دے کر بچانے کی کوشش کی ہو کہ مجھے زیادہ رسک نہیں لینا، بلکہ چند ایک جگہوں پر مشاہدہ میں آیا ہے کہ وہ خود بنفس نفیس خطرات میں اتر جاتے اور انتہائی حوصلہ وسلیقہ سے خدائی مدد سے نکلتے بلکہ دوسروں کو بھی اس پریشانی و مشکل سے نجات دلاتے۔ ڈیرہ اسماعیل خان چہلم کے جلوس کی بندش کا مسئلہ ہو یا دیگر خطرات والے ایشوز، بڑی خندہ پیشانی سے گزر جاتے۔ شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی جبھہ مقامت بین المللی کے بڑے داعی اور اپنے علاقہ کے رہنما و سالار تھے، آپ خود اور آپکے شہید دوستوں نے کبھی بھی جبھہ مقامت اسلامی کو خالی نہیں چھوڑا۔ آج بھی انہیں کے دوست کسی نا کسی صورت اس جبھہ کی حفاظت و مقامت جاری رکھے ہوئے ہیں بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کے تذکرہ کی محفل سجے اور ان کے قریبی ترین رفقا جو خود بھی شہادت سے سرفراز ہو چکے ہیں ان کو یاد نہ کیا جائے، یہ نا تو شہید کو قبول تھا

اور نا ہی شہدا کی کسی محفل کے شرکا کو قبول ہو گا لہذا اس خصوصی شمارہ میں انکے شہید رفقا کا ذکر کرنا لازم آتا ہے۔

شہید کے رفقاء میں سب سے پہلے ہم اس شہید کا ذکر کرتے ہیں جس نے شہید ڈاکٹر کیساتھ اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ان کا انتخاب خود شہید نے کیا تھا باقی دوستان کو چھٹی دے کے فقط آغا تقی حیدر کو ساتھ رکھا، شہید آغا تقی حیدر کی اسلام سے محبت و سنجیدگی، اپنی جان، اسلام و شہید ڈاکٹر پر نچھاور کر کے دکھا دی۔ شہید آغا تقی کو قوم ہمیشہ شہید وفا، کے طور پر یاد رکھے گی۔ شہید تقی حیدر کا تعلق لاہور کے علاقے امامیہ کالونی سے تھا، عید کے ایام کی وجہ سے شہید ڈاکٹر نے دیگر سٹاف کو چھٹیاں دے دی تھیں فقط تقی حیدر ساتھ رہے اس دن بھی تقی حیدر ڈاکٹر شہید سے پہلے نشانہ بنے دہشت گردوں نے تقی حیدر کو خصوصی نشانہ بنایا، یہ پاک دل نوجوان اپنی وفاؤں کی بدولت ہمیشہ یاد رکھا جائے گا ڈاکٹر شہید کے دوست فنائی اسلام و فنافی ولایت تھے۔ اپنے وصیت نامہ میں سیاسی، مذہبی، تنظیمی اور ترتیبی اپنے فعال دوستوں کی خدمات کا ذکر کیا، جن سے توقعات تھیں ان کا ذکر بھی کیا، قوم کے دفاعی محاذ پر جدو جہد کرنے والے اپنے دوستوں کا تذکرہ کھل کے کیا اور انکو پاکستان میں مظلوم شیعوں کے دفاع کرنے پر بہت اچھے الفاظ میں سراہا۔ جو ڈاکٹر شہید کی شہادت کے بعد انہی کے پرخلوص راہ کربلا کے راہی بنے۔ شہید ڈاکٹر کی طرح راہ اسلام و وفا پر جان کی قربانی دے کے شہید ڈاکٹر کے شہید ساتھی کہلائے۔

80ء کی دہائی میں شہید تصیر حیدر، اپنے دور میں بالکل منفرد اور اپنے دوستوں کے حلقہ میں نڈر، انقلابی، دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹے ہوئے تھے۔ شہید تصیر حیدر مجسمہ مقاومت کے سپاہی، سرکار قائم آل محمد کے حقیقی انقلاب کیلئے جدو جہد کرتے، لبیک یا حسین ع کی صدا لگاتے ہوئے دشمنان اسلام کی ظلم کا شکار ہوئے شہید تصیر حیدر اور شہید راجہ اقبال انجینئرنگ یونیورسٹی میں ۲ مئی ۱۹۸۶ء کے دن ایک بم دھماکہ میں شہید ہوئے۔ ان دونوں کا تعلق سرگودھا ڈویژن سے تھا۔

شہید ڈاکٹر کی زندگی بھر کی بھرپور فعالیت کے اہم حصہ کے، روح رواں جناب برادر علی ناصر صفوی و انکے ساتھیوں کا ذکر نہ ہو ممکن نہیں، جو عالم اسلام میں، عالمی اسلامی انقلاب کے لئے ہونے والی کوششوں کا اپنے آپ کو حصہ سمجھتے اور اسی جدو جہد کے دوران اپنے آپ کو اسلام پر فدا کر گئے۔ شہید علی ناصر صفوی اکثر کہتے کہ جب تک خدا کی ذات مجھ سے قومی خدمت لینا چاہتی ہے دنیا کی کوئی طاقت میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی، شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی نے اپنی شہادت سے چند روز قبل جو سفر کیا ان میں شہید علی ناصر صفوی کے گاؤں میں ان کے پاس جانا اور ان کو ساتھ لے جا کے اگلے دوستان کی طرف پرواز ایک یادگار کیساتھ ساتھ اپنے قریبی رفقا سے قربت کو واضح کرتا ہے۔

ڈاکٹر شہید کے شہید ساتھی، ہر دل عزیز ہمیشہ ہنسنے کھلنے، بولنے والی شخصیت برادر استاد محرم علی شہید۔ وہ اٹھتے بیٹھتے اپنے رفقا کو اپنے تجربات شیئر کرتے نظر آتے، کام کی اس قدر لگن کہ جو کام شروع کرتے، جب تک اس میں کامیاب نہ ہوتے چین سے نہیں بیٹھتے تھے، بلکہ بھوک اور نیند اڑ جاتی تھی۔ شہید محرم علی بے حد ٹیکنیکل اور کام کی دھن سوار کر کے جت جانے والا رفیق تھا اس کی مثال اس زمانے میں انہی کے ایک دوست کی بیرون ملک سے آٹو میٹک واشنگ مشین آئی ہوئی تھی جس کے ساتھ مینول نہیں تھا اور اس گھرانے کو چلانی بھی نہیں آتی تھی، لمبا سفر کر کے واشنگ مشین پاکستان پہنچنے سے کچھ خرابی بھی ہو گئی، انہوں نے اپنے طور پہ مقامی مکینک کو دکھائی، مشین چونکہ آٹو میٹک تھی اور پاکستان میں ابھی اتنی جدید مشینیں استعمال نہیں ہوتی تھیں لہذا مکینک کی سمجھ میں بھی نہیں آیا اس کا تذکرہ ایک رات اپنے مہمان محرم علی سے کیا گیا دوستوں میں اسے (پیار سے انجینئر کہتے) برادر محرم علی کو دکھائی تو انہوں نے رات دیر تک تگ و دو کر کے چلا کر چھوڑی، غالبا آدھی رات جب وہ ساری فنکشنل ہو گئی تب شہید محرم علی سوئے۔ محرم علی شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی شہادت کے فوری بعد یتیم خانہ پہنچے تھے وہ شہید کی گاڑی کو فرط جذبات و عقیدت سے ٹکریں مار رہے تھے۔ اسے امام زمانہ کا سچا عاشق کہا گیا، اس نے اسی راہ میں اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔

ماہنامہ افکار العارف لاہور

مارچ 2023

شہید علی ناصر صفوی شہید:

اس نے کبھی وسائل کا رونا نہیں رویا، اس نے کبھی آسائشوں کی طلب نہیں کی، اس نے کبھی ساتھیوں کی کمیوں، کوتاہیوں، وسائل کی عدم دستیابی، مشکلات کے گھیراؤ، مسائل کے انبار اور اپنوں کی جفاؤں کا گلہ وشکوہ نہیں کیا، بلکہ ایک ہدف مقرر کے حصول کیلئے اپنے راستے پہ چلتا رہا، اسے نام نہیں بنانا تھا، اسے پہچان کا ڈنکا نہیں بجانا تھا، اسے پوسٹرز اور بینرز پہ اپنی تصاویر نہیں چھپوانا تھیں، وہ بالکل سادہ زیست تھا، اس کی زندگی بہت ہی عام سی فیملی کی طرح تھی، حالانکہ وہ اچھے بھلے زمیندار گھرانے کا اکلوتا وارث تھا، وہ جس مکان میں نشانہ بنایا گیا وہ شاید دو کمروں کا عام سا سرکاری کوارٹر تھا جس کے کمرے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے، اس کی زندگی بہت ہی منظم ہوتی تھی جیسے شہید ڈاکٹر کی زندگی منظم ہوتی تھی۔

شہید علی ناصر صفوی اور اس کی اہلیہ جو اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی، اسے بائیس برس قبل جوہر آباد میں اس کی کم سن بیٹیوں اور والدہ کے سامنے شہید کیا گیا تھا، وہ شہادت کا ہمیشہ سے طلبگار تھا، اس کی زندگی اور راستے کا نتیجہ ایسی ہی موت کی صورت میں نکلنا تھا یہ جانتے بوجھتے ہوئے اس نے دوستوں کے اصرار کے باوجود ہجرت نہیں کی، اسے علم تھا اور شاید احساس بھی کہ ہجرت زندگی کو بچا سکتی ہے، مگر اسے منظور نہیں تھا کہ اسے کوئی بھگوڑا کہہ کے یاد کرے، اس نے کسی کو یہ موقع نہیں دیا کہ وہ اس کے بارے ایسی زبان درازیاں کرے درحالیکہ ہجرت و جہاد اسلام کے جڑے ہوئے موضوع ہیں، مگر لوگ کہاں معاف کرتے ہیں، ساری عمر کی خدمات کو، قربانیوں اور قید و بند کی صعوبتوں کو بھول جاتے ہیں، جب خود تہی دامان ہوتے ہیں تو دوسروں کو بھی تنقید والزامات کے ذریعے نیچا دکھانے کی سعی کرتے ہیں، ان کا قد دوسروں کو نیچا دکھا کے ہی ابھرتا ہے، جو ان کی بھول ہوتی ہے، اخلاص، ہمیشہ عملی نظر آتا ہے، دکھاوا عارضی ہوتا ہے، علی ناصر صفوی اخلاص سے مرقع و مزین تھا، اس لیے آج اتنا وقت گذر جانے کے بعد بھی یاد کیا جا رہا ہے، اس کی اسلام حقیقی، امام راحل، انقلاب اسلامی، شہید قائد علامہ سید عارف حُسین الحسینی اور شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی سے محبت، عقیدت اور لگاؤ بالکل خالص و بے لوث تھا، وہ ان کیلئے ہر خطر میں کود سکتا تھا، اس نے اپنی عملی زندگی سے ایسا ثابت بھی کیا تھا، اس کے جیسا کوئی اور نہیں تھا، اس کے قریبی دوست بھی اس جیسے نہیں تھے، نہ پہلے نا اس کی شہادت کے بعد۔۔۔ لہذا علی ناصر صفوی اس قوم وملت کے جوانوں میں اپنے جنون، خلوص، درد، احساس، ایثار کی یاد آوری کیساتھ یاد رکھا جائے گا، شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی نے ناصر علی صفوی کو اپنی وصیت میں بھی یاد رکھا ہے اور ان کے جہاد کو صف اول کا جہاد لکھا ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ڈاکٹر شہید کا یہ رفیق، رفقا خاص میں تھا

برسوں تجھے گلشن کی ہوا یاد کرے گی

ڈاکٹر قیصر عباس سیال شہید:

ڈاکٹر قیصر عباس سیال شہید، انتہائی مخلص، نفیس انسان، نظریاتی سرحدوں کے محافظ اور ڈاکٹر شہید سے بہت قربت رکھتے تھے انہوں نے زمانہ طالبعلمی سے جب وہ فیصل آباد مین میڈیکل کے طالبعلم تھے تعلق قائم کیا تھا، ان کا تعلق جھنگ سے تھا اور وہ تسلسل سے شہید ڈاکٹر کی قربت میں رہ کے ان سے کسب فیض کرتے رہے اور سوسائٹی میں دجالی اور شیطانی سازشوں کو کچلتے ہوئے شہید کے ہم سفر ہوئے، یہ بات بھی ایک اتفاق ہے کہ جس ڈاکٹر محمد علی نقوی سے ان کی انسیت و قربت تھی، وہ بھی شیخ زاید ہسپتال میں بطور رجسٹرار خدمات سرانجام دے رہے تھے اور ڈاکٹر قیصر

عباس سیال بھی بطور رجسٹرار ہی خدمات سرانجام دیتے ہوئے شہادت سے ہمکنار ہوئے تھے۔ایک سرمایہ ملت کو کلینک میں گھس کر شہید کیا گیا تو ایک مسیحائے ملت کو کلینک جاتے ہوئے راستے میں گولیوں کی برسات سے شہید کیا گیا۔شہید ڈاکٹر قیصر عباس سیال نے اپنی دختر کے نام پر اپنے کلینک کا نام فاطمہ کلینک رکھا تھا،جبکہ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید نے اس سے قبل اپنی دختر زہراء کے نام پر الزہراء کلینک رکھا۔لاہور میں مقیم ڈاکٹر قیصر عباس سیال ملی وقومی نیز تنظیمی پروگراموں میں بھرپور شرکت کرتے تھے اور کوئی بھی مسئلہ پیش آنے کی صورت میں برادران کے ساتھ بھرپور معاونت کرتے تھے یہ یکم اکتوبر 1999 کی شام تھی۔

کس قدر تو محافل میں ہنستا رہا
کتنے صدمات سہتی رہی زندگی

سید ذوالفقار علی نقوی شہید؛

لاہور سے تعلق رکھنے والے شہید سید ذوالفقار حسین نقوی کا نام بھی ایسے ہی افراد ملت میں ہوتا ہے جن کا شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کے رفقا میں ہوتا ہے ان کی کمی اور جدائی کو اب بھی محسوس کیا جاتا ہے،ان کی زندگی اور ملت کیلئے خدمات ہمارے آج کے قومی ورکرز اور اجتماعی جدوجہد کرنے والوں کیلئے ایک نمونہ کے طور پہ پیش کی جاسکتی ہے،شہید سید ذوالفقار حسین نقوی نے 4 دسمبر 1945 ،لاہور کے مضافات میں واقع موضع چندرائے کے سادات کے ایک گھرانے میں آنکھ کھولی۔آپ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔آپ کے والد سید علی حسین شاہ ایک صاحب تقویٰ اور علم دوست انسان تھے۔انکا سلسلہ نسب اوچ شریف کے سادات سے جاملتا ہے۔

شہید ذوالفقار حسین نقوی پیشہ کے اعتبار سے قانون دان تھے۔وکالت سے پہلے وہ محکمہ آثار قدیمہ میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز تھے آپ 1990ء میں تنظیمی مصروفیات کی بناء پر سرکاری نوکری سے استعفیٰ دیکر اپنے پیشے سے منسلک ہوگئے اور اپنی زندگی ملت کی خدمت کیلئے مکمل طور پر وقف کر دی۔اصل میں شہید کو اجتماعی جدوجہد کے شعور،لوگوں کے درد و مسائل اور علماء کی صحبت نے سرکاری نوکری چھوڑنے کے فیصلہ میں بہت مدد کی،آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو انقلاب اسلامی ایران اور امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ کی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔انقلاب اسلامی اور امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی شخصیت کا سحر تھا جس کی بدولت 1980ء میں آپ نے اس وقت کے قائد ملت جعفریہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ کی آواز پر لبیک کہا اور ان کی عظیم الشان قیادت میں اس الٰہی کارواں میں شامل ہو گئے لاہور میں فرقہ واریت کا جادو سر چڑھ کے بولنے لگا تو آئے روز شہادتیں،مقدمات،اور تھانوں کچہریوں کا سلسلہ ہوتا تھا اس دوران شہید ذوالفقار علی نقوی کو شہید ڈاکٹ نے ان امور کی انجام دہی کیلئے مخصوص کر دیا تھا،جب ڈاکٹر شہید کی شہادت کا سانحہ ہوا تھا ذوالفقار علی نقوی جیل میں نظر بند تھے،پنجاب یونیورسٹی کیس میں شہید ذوالفقار علی نقوی نے بہت محنت کی۔بالآخر 31 دسمبر 1996ء کا دن بھی آن پہنچا،لشکر یزید کے گماشتے

چندرائے کے باہر ان کے راستے میں ایک پل پر گھات لگائے بیٹھے تھے۔جونہی آپ کی گاڑی وہاں پہنچی چاروں طرف سے اندھا دھند فائرنگ کردی گئی۔آپ اپنے جواں سال فرزند شہید عمار حیدر نقوی کے ہمراہ سیدالشہداء اور جناب علی اکبر علیہ السلام کی بارگاہ میں سرخرو ہو کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے۔اس حملے میں کل پانچ افراد شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے ان میں ذوالفقار حسین نقوی،سید عمار حیدر نقوی،اہلسنت دوست حاجی

محمد شریف، چیئرمین لیاقت علی، ڈرائیور الیاس حسین، گن مین کاشف متعدد گولیاں لگنے سے شہید ہوئے

اٹھ گئیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں
روئیے کس کیلئے کس کس کا ماتم کیجئے

بسمہ رب شہدا

موت کی جانب سفر تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ کئی ایک ایسے مواقع دیکھنے نصیب ہوئے ہیں جو انسان کے لیے عبرت کا کام دیتے ہیں، مگر افسوس کے وہ سبق حاصل نہ کرسکا جو دوسروں کو کہتا رہا۔ بالآخر وہ وقت مقرر آن پہنچا۔ کاش موت سے نہ بھاگے ہوتے، کاش لشکر خمینی میں شمولیت اختیار کی ہوتی تو شاندان پاک و پاکیزہ نوجوانوں کے صدقے ہم بھی بخشش کا کوئی سامان لے جاتے!۔۔۔۔۔ بہرحال یہ ساری باتیں اب رہ گئیں اور ہم ایک لمبے سفر پر روانہ ہوگئے البتہ میں

وصیت کرتا ہوں

1. مجھے اپنے آبائی قبرستان علی رضا آباد میں دفن کیا جائے۔ جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے۔ پوسٹ مارٹم نہ کروایا جائے اور اس موقع پر کسی قسم کا تنظیمی اجتماع نہ کیا جائے۔

2. میرے ملکیت ظاہری میں اگر کوئی شخص یا تنظیم دعویدار ہو تو اسے ضرور پہلے اس کا حق دیا جائے۔

3. میرے پاس کچھ حساب کتاب ہے جو علیحدہ X تحریر ہے اس کے مطابق وہ کیا جائے۔ (برادر وجاہت نقوی کے پاس

4. میری خواہش ہے کہ بیٹی کی شادی کسی طالب علم سے ہو اور بیٹے اگر ممکن ہو سکے تو اپنے چچا کی رہنمائی میں تعلیم کے میدان میں آگے بڑھ سکیں۔

5. میں دلی طور پر معذرت خواہ ہوں برادر حسن عباس کاظمی سے کہ جس کو میری وجہ سے بہت سی مصیبتیں اٹھانی پڑی۔

6. برادر طوری، محرم علی، ناصر اور انکے دوست میری نگاہ میں بہت ہی بے لوث اور منفرد ساتھیوں میں سے ہیں۔ انکا جہاد صف اول کا جہاد رہا ہے۔

7. تنظیمی طور پر جو ساتھی رہنمائی کا معیار ہیں اور تقوی کے مقام پر فائض ہیں وہ برادر شبیر بخاری(Ex CP)، امتیاز رضوی (Ex CP)، حسنین عباس گردیزی (Ex CP)، تصور نقوی (Ex CP) اور راشد عباس(Ex CP)، انکے اور بھی بہت سارے دوست لائق تقلید ہیں۔

8. آخری گزارش

خوش بختی ہے ان لوگوں کی جو باصلاحیت اور باشعور لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں

اور ہلاکت ہے ان کے لیے جو اپنے سے کمتر کے ماحول میں پروان چڑھتے ہیں

اپنی اہلیہ محترمہ کا شکر گزار اور بچوں سے پر امید

تمام دوستوں سے انکی توقعات پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے شرمسار

والسلام

محمد علی نقوی

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی قاطعیت

تحریر: سید امجد علی کاظمی ایڈووکیٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبارك الذين بيده الملك وهوا على كل شيء قدير۔ الذين خلق الموت والحيوا ةليبلو كم ايكم احسن عملا وهوالعزيز الغفور

پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں کائنات ہے اور وہ ہر چیز پہ قادر ہے۔ اُس ذات (پاک) نے موت وحیات کو خلق کیا تا کہ انسانوں کو آزمائے کہ ان میں احسن عمل کون کون سرانجام دیتا ہے، وہ بڑا غالب اور بخشنے والا ہے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کی روشنی میں ہر انسان کو اس جہان میں آزمائش سے گزرنا ہے اور اپنے خالق کے حضور حاضر ہو کر سرخرو ہونا ہے۔ اس امتحان میں کامیابی کیلئے ایک سیدھا سادھا فارمولا انسانوں کی کامیابی کیلئے دے رکھا ہے کہ وہ اپنی اس زندگی میں صاحبان نعمت کے راستے کو اپنائیں۔ اُن کی سنت کی اتباع کریں اور ساتھ ہی یہ انتباہ بھی دیا کہ اگر ان کے راستے پر گامزن نہیں ہوگے تو پھر گناہ گاروں میں شمار کیے جاؤ گے اور الٰہی غضب کے سزاوار ہوگے۔

اسلامی تاریخ کا یہ پہلو انتہائی المناک ہے کہ اہل اسلام نے قرآن پاک کے اس حکم کو بلا استدلال ماننے اور اپنانے کی بجائے اس سے روگردانی کی اور اہل بیت علیہم السلام کی نورانیت اور رہنمائی سے محروم ہو کر آج تک گمراہی اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

زیست کے امتحان میں کامیابی کیلئے صراط مستقیم کی معرفت اور اس کی مکمل اتباع اولین ضروریات دین میں سے ہے۔ اہل اسلام کے مختلف مکاتب اور گروہوں نے اس آیہ مجیدہ کی مختلف تفسیر کی بلکہ Haverd University کے پروفیسر Canthwell Smith جن کی قرآن پاک اور اسلام کے بارے میں ایک گہری نگاہ ہے نے تحریر کیا ہے۔ اسلامی دنیا میں قرآن پاک کی اتنی ہی تعبیریں ہیں جتنی کہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ہے۔ ہر مسلمان کی اپنی معرفت ہے اور قرآن کے بارے میں اپنا ادراک ہے۔

صاحبان نعمت کون ہیں؟ خود قرآن پاک نے سورہ النساء میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

شہداء، انبیاء، صدیقین اور صالحین صاحب نعمت ہیں اور کیا ہی اچھے ساتھی ہیں (سورہ نساء آیہ مبارکہ)

قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں ان برگزیدہ ہستیوں سے کسب فیض کرنے کے کیا اسلوب ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں اپنے معاشرہ اور گردوپیش میں شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی پاکیزہ مجاہدانہ اور شہادت سے معمور زندگی ایک مشعل راہ ہے بلکہ حجت، دلیل اور برہان ہے۔ اوران کے اوائل عمر سے لے کر شہادت تک کی زندگی ہمیں صاحبان نعمت کی معرفت اور ان کی اتباع میں اپنی زندگی کی ترتیب و تکمیل کرنے کا قابل عمل درس دیتی ہے۔ اگر گہری نگاہ سے ڈاکٹر صاحب کا مطالعہ کیا جائے تو ہم یہ باور کر سکتے ہیں کہ انہوں نے پوری زندگی کسی کمتر انسان کے قول و فعل کو اپنے قلب و نظریہ پر اثر انداز نہیں ہونے دیا اور مصالحت کی منزل پر فائز کسی شخصیت سے اپنے الحاق پر کسی بھی قسم کی زک نہیں آنے دی۔

1972ء میں ڈاکٹر صاحب ایک نوخیز طالب علم تھے جبکہ امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کی تاسیس کی گئی۔ مولانا صدرالافاضل سید مرتضی حسین اعلی اللہ مقامہ اور دیگر ساتھیوں سے مل کر اس کے آئین کو مرتب کیا

گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تخیل اور آئین کو اپنی مٹھی میں لیا اور 10 سال کے قلیل عرصہ میں ارض پاکستان کے کونہ کونہ میں امامیہ طالب علم نوجوانان کیلئے ایک پروقار انجمن کی تشکیل مکمل کر دی۔ یہ ڈاکٹر کے قوت کردار کا ایک عظیم کرشمہ ہے جو کہ آج نائب امام ولی فقیہہ حضرت آیت اللہ خامنہ ای بلکہ خود صاحب العصر والزمانؑ کی رضا جوئی کا باعث ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ کرشمہ ان کی الہٰی زندگی میں بے پناہ قاطعیت کی قوت کی بنا پر ہے۔

قاطعیت کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کا موازنہ تکبر سے کیا جائے۔ قاطعیت اور تکبر، دونوں میں ایک قدر مشترک ہے۔ دونوں انسانوں سے بے پرواہی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مگر صاحب قاطعیت، عند اللہ زندگی کی ترتیب و تکمیل کیلئے سوائے صاحب نعمت پر فائز کسی برگزیدہ شخصیت کے کسی کو اپنے اذہان، اپنے قلب و نظر پر اثر انداز ہونے نہیں دیتا۔ مگر کسی بھی صورت میں کسی انسان کی دل شکنی نہیں ہونے دیتا۔ تالیف قلب کو ہر صورت برقرار رکھتا ہے۔ حکمت سے کام لے کر ہر ایک سے محبت اور مودت کا پیغام دیتا ہے۔ اس کی سطح فکری کے مطابق عدالت کر کے اس کی مسئولیت کی معرفت عطا کرتا ہے اور اس کی ادائیگی میں اس کی راہنمائی کرتا ہے۔ اُس کے شرف انسانیت کو تازگی اور تابندگی سے آراستہ کرتا ہے۔ مگر خود کو کبھی اس کے سطح فکری تک نہیں گراتا اور لقاء اللہ کی طرف دینی پرواز اس کی رفاقت کی وجہ سے آنچ نہیں آنے دیتا۔ وہ بڑی ہنر مندی سے اُس کے اقوال اور افعال جو سد راہ بنتے ہیں ان کی قطع و برید کرتا ہے۔ اپنے توکل اور تقویٰ کی بنیاد پر حوادث واقعہ میں اپنے قوت فیصلہ کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے سفر کی رفتار کو برقرار رکھتا ہے۔ اس عند اللہ مجاہدانہ زندگی کی بنیادی شرط قاطعیت ہے۔ دوسری طرف تکبر، دوسرے انسانوں سے نفرت اور چشم پوشی کرتا ہے۔ انسان کی توہین کر کے خوش ہوتا ہے اور ان کے شرف انسانیت کو مجروح کرتا ہے اور ان حریصانہ اطوار کے ساتھ مادی ترقی کی راہ پر کامزن ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کی تشکیلات کے دوران ہزار ہا انسانوں سے ارتباط قائم کیا۔ مگر انہوں نے کبھی کسی دوسرے کی فکر و نظر اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیا۔ کسی کی رائے یا مشورہ ان کی سطح فکری سے مطابقت پیدا کر لیتا تو وہ اسے قبول کر لیتے ورنہ حکیمانہ انداز سے اُس سے گزر جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اکثر قریبی احباب جو ان کے تقویٰ اور قوت عمل سے بہت متاثر تھے مگر یہ شکایت زیر لب اکثر ہوتی تھی کہ "ڈاکٹر صاحب ہیں اپنی مرضی والے"۔ جہاں ڈاکٹر صاحب اپنے احباب سے حکیمانہ قاطعیت کے ساتھ پیش آتے تھے وہیں ان کی بے قرار روح کسی صاحب نعمت کی شفقتوں کی متلاشی رہتی تھی۔

اولین شفقت جو ڈاکٹر صاحب کو میسر آئی وہ ان کے والد بزرگوار حجۃ الاسلام والمسلمین سید امیر حسین نقوی اعلی اللہ مقامہ کی آغوش تھی۔ جو ایک جید عالم دین اور مبلغ تھے۔ اپنی علمی اور تبلیغی مصروفیات کی بنا پر مولانا سید امیر حسین نقوی کا قیام نجف اشرف میں تھا کہ ان کی پاکیزگی اور دین کیلئے اخلاص کے صلہ میں انہیں محمد علی نقوی جیسے بابرکت لخت جگر سے نواز دیا گیا۔ نجف اشرف کی خوشبو ڈاکٹر صاحب کے ضمیر میں رچی بسی ہوئی تھی۔

ایک مقام ایسا بھی آیا کہ خود مولانا سید امیر حسین نقوی نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ "میری عاقبت کیلئے یہی کافی ہے کہ میں محمد علی نقوی کا والد ہوں۔

حق اور حق پرست صاحب نعمت کے متلاشی ڈاکٹر محمد علی نقوی کا اگلا ارتباط بزرگ عالم دین محسن ملت حجۃ الاسلام والمسلمین آقائی سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے ساتھ تھا۔ قبلہ رشتہ میں ڈاکٹر صاحب کے پھوپھا تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا نام بھی مولانا صفدر حسین قبلہ نے رکھا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اور مولانا صفدر حسین کا یہ ارتباط، الحاق انتہائی قوی، مسلسل پیہم اور معنوی حیثیت رکھتا تھا۔ ڈاکٹر نے ہمیشہ مولانا کے دینی، تدریسی اور تبلیغی برنامہ ریزی میں صرف ان کے ممدو معاون ہوتے تھے بلکہ ان کے پروگرامات اور منصوبہ جات کی تکمیل و تعمیر کی مسئولیت ڈاکٹر صاحب نے اپنے کندھوں پر لے رکھی تھی۔ دوسری جانب ڈاکٹر صاحب نوجوانان ملت کی تربیت اور تنظیم سازی کیلئے ان کی ذات اقدس کی سرپرستی کو یقینی بناتے رہے۔ پاکستان کی سرزمین پر دین مبین کی ترویج کیلئے ڈاکٹر صاحب اور مولانا کا ارتباط دو طرفہ تھا۔

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان جو 1972ء سے لے کر 1982ء تک مکمل 10 سال میں ڈاکٹر صاحب کی واحد اور اولین ترجیح رہی۔ اس کی تشکیل اور ملک بھر میں اس کی پالیسیٹیشن، ان کی صلاحیتوں کو جذب کرتی رہی اور اسی انجمن کی آئینی ضرورتوں کے تحت مجلس مشاورت کی تکمیل کیلئے مولانا صدر الافاضل سید مرتضیٰ حسین اعلی اللہ مقامہ اور حجۃ الاسلام والمسلمین آغا سید علی الموسوی سے ان کا گہرا علمی اور عملی ارتباط پیدا ہوا۔ ان بزرگ علماء کرام کی زیر سرپرستی ڈاکٹر صاحب کی قوت ارادی کے باعث بڑے منظم اور فیصلہ کن اجلاس منعقد ہوتے رہے جن کی بدولت جوانان ملت کی یہ انجمن پروان چڑھتی رہی۔ اسی دوران ملک بھر کے مذہب حتی کہ علماء کرام اور دانشور حضرات سے ڈاکٹر صاحب کی ذات متعارف ہوتی چلی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے ہر ایک سے ممکنہ کسب فیض کیا اور ان کو میدان عمل میں وارد ہونے کی دعوت دی۔ ملت جعفریہ کے مایہ ناز بزرگ عالم دین سید محمد دہلوی اعلی اللہ مقامہ نے شیعہ دینیات کیلئے تحریک شروع کی تو انہوں نے اسلام آباد میں ایک بہت بڑا اجتماع طلب کیا۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی اس وقت ابھی طالب علم تھے۔ اپنی اس کم سنی کے باوجود ڈاکٹر صاحب نے شیعہ مطالبات کمیٹی کے ان اجتماعات میں ایک مؤثر اور بھرپور کردار سرانجام دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب

نے اس وقت یہ باور کر رکھا تھا کہ اس وقت کے مرجع تقلید آیت اللہ سید محسن حکیم نے اس جدوجہد کیلئے باقاعدہ فتویٰ جاری کیا ہوا ہے اور اس تحریک میں حصہ لینا ایک شرعی اور دینی ذمہ داری ہے جس سے انحراف صاحبان نعمت کی اطاعت سے چشم پوشی ہے۔

1979ء میں شیعہ مطالبات کیلئے گوجرانوالہ میں شیعہ تنظیموں کے ایک انتہائی اہم اجلاس کا انعقاد اور اس کے نتیجہ میں بھکر کنونشن اور انتہائی واجب الاحترام عالم دین اور محقق حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ مفتی جعفر صاحب کے بطور قائد منتخب ہونے میں ڈاکٹر شہید کا اہم ترین کردار تھا۔ مفتی صاحب کی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کو قوت اور کامیابی کی طرف تحرک دینے میں ڈاکٹر صاحب کا حسن عمل نہایت نمایاں اور محکم تھا۔ 1980ء اسلام آباد کنونشن کے آغاز سے لے کر اختتام تک ڈاکٹر صاحب اسکے روح رواں رہے۔ لاہور سے پنڈی تک احباب کے ساتھ موٹر سائیکلوں پر سفر، پوسٹرز، پمفلٹس اور بینرز کے ذریعے ملک کے گوشے گوشے میں پیغام رسانی، مومنین کے آنے والے کاروان کا انتظام و انصرام، جلسہ گاہ کی ترتیب و تکمیل، کفن پوش دستہ کی تشکیل اور اسلام آباد سیکرٹریٹ کی طرف احتجاجی مارچ، سیکرٹریٹ کا گھیراؤ، دھرنا اور ہزار ہا مومنین کے پڑاؤ کا منظم کرنا، ان کی خوراک کا اہتمام اور سب سے بڑھ کر ان کو قلبی اطمینان بخشنا، ڈاکٹر صاحب کی ذات کے معجزنما کارنامے ہیں۔ انتہائی تیز و تند بارش میں رات کے وقت مومنین کے قیام کو برقرار رکھنا اور منتشر نہ ہونے دینا ڈاکٹر صاحب کی ذات کا ایک کرشمہ تھا۔

1980ء سے لے کر جولائی 1983ء تک مفتی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے حقیقی روح رواں اور محور شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی ذات تھی اور وقت کے صاحب نعمت کے ساتھ ان کا یہ الحاق رب العزت کی بارگاہ میں منظور و قبول تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک قلیل عرصہ میں ارض پاکستان کی ظلمت میں پسی ہوئی انسانیت کیلئے ڈاکٹر محمد علی نقوی ایک آفتاب کی مانند ضیا پاشی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

شارح نہج البلاغہ، عالم باعمل و تقویٰ و ریاضت کا اعلیٰ نمونہ محسن انسانیت علامہ مفتی جعفر حسین ایک طویل علالت کے بعد اگست 1983ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہو کر اپنے خالق حقیقی کے حضور ہجرت کر گئے۔ ہمیشہ مسکرانے والے ڈاکٹر محمد علی نقوی کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔

ڈاکٹر صاحب نے کربلا گامے شاہ لاہور میں خود انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ مفتی صاحب کے جسد پاک کو آخری غسل دیا، دوران غسل ڈاکٹر صاحب نے مفتی صاحب کے بازو مطہر سے ان کی جلد کو پکڑا اور وہاں پر موجود احباب کو متوجہ کر کے باور کروایا کہ مفتی صاحب قبلہ کی ہڈیوں اور جلد کے درمیان گوشت کا کوئی نشو موجود نہیں۔ ان کی ریاضت کی بنا پر ان کا جسم اس قدر نحیف ہو چکا ہے مگر ان کی اعلیٰ ملکوتی روح عالم بالا کی طرف محو پرواز ہے۔

1983ء میں ہی ڈاکٹر صاحب کی ذات اور ان کی صلاحیتوں کو مکمل معنویت کا موقع ملا جب قبلہ مولانا صفدر حسین نے ان کو بلایا اور ایک اہم دینی فریضہ پر مامور کیا۔ ڈاکٹر صاحب سے کہا گیا کہ وہ بیٹھ جائیں اور چھ ماہ کے اندر پاکستان میں موجود ملت جعفریہ کو درپیش مسائل کا احاطہ کریں، ان کو ضبط تحریر میں لے آئیں اور ملت کی دینی، تعلیمی، اقتصادی اور سماجی ترقی کیلئے ایک جامع منصوبہ بندی کی تکمیل کر کے دیں۔ روحانی فیض اور جدوجہد کا متلاشی ڈاکٹر محمد علی نقوی اسی وقت کے منتظر تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس فریضہ کو اپنے ذمے لیا اور ٹھیک چھ ماہ کے اندر ایک جامع منصوبہ بندی مکمل کر کے مولانا کے سپرد کر دی۔ اب ڈاکٹر محمد علی نقوی محض ایک نوجوان طالبعلم ہی نہیں بلکہ وہ پوری ملت کے ایک مصلح اور تقدیر ساز شخصیت بن چکے تھے۔

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی اپنے دور کے ان بزرگ علماء کرام اور روحانیت کے پیکر شخصیات سے نہ صرف روابط استوار کیئے بلکہ ان کے شروع کیئے ہوئے قومی خدمت کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور انہیں کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ان شخصیات کے احترام اور تعظیم کو مکمل طور پر ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کے سامنے پوری بے باکی اور موثر انداز میں اظہار خیال فرماتے۔

یہ نقطہ لطیف مگر انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی نے اپنے دور کے ان بزرگ علماء کرام اور روحانی شخصیات سے گہرے روابط استوار کئے مگر یہ ایک اشتراک عمل تھا۔ ڈاکٹر صاحب کسی ایک کے بھی مطیع محض نہ تھے۔

10 فروری 1984ء کو بھکر کی سرزمین میں حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید عارف حسین الحسینی کو قائد ملت جعفریہ منتخب کیا گیا۔ وہاں سے قائد ملت سیدھا لاہور جامعۃ المنتظر میں تشریف لائے۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی سے ملاقات ہوئی۔ اول روز سے ہی دونوں روحانیت کے پیکر انقلابی فکر سے موجزن شخصیات ایک دوسرے سے ایسے ملے جیسے دو دریا کسی سنگم پہ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جیسے نور کی دو شعاعیں ایک دوسرے میں ضم ہو جاتی ہیں۔ ایک مقام پر قائد شہید نے ڈاکٹر صاحب سے براہ راست پوچھا کہ آپ قبلہ مولانا صفدر حسین کے عزیز بھی ہو اور ان کے پروگرام کو لے کر چلنے کی ذمہ داری بھی اٹھائے ہوئے ہو اگر کسی مقام پر وہ میرے ساتھ نہ چل سکیں تو کیا آپ ان کا ساتھ دیں گے یا میرے ہم سفر بنیں گے۔ عالی ہمت، با بصیرت ڈاکٹر صاحب نے پوری برجستگی کے ساتھ جواب دیا، میں مولانا صفدر حسین کا دل سے احترام کرتا ہوں

مگر آپ کو چھوڑ کر دین مبین کو چھوڑ دینے کے مترادف ہے، میں آپ کو چھوڑنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔

یہ اس دور کی بات ہے جب تک محمد علی نقوی قبلہ مولانا سید صفدر حسین کی زیر سرپرستی ملت کی ترقی وفلاح وبہبود کیلئے جامع منصوبہ بندی مکمل کر چکے تھے اور اس کے ابتدائی مراحل کا آغاز بھی ہو چکا تھا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا ایک عظیم شاہکار تھا اور اس مادی دنیا میں انسان اپنی محنت شاق سے بنائے ہوئے منصوبوں کو کبھی ترک کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتا۔ انسان کے دل میں اپنی محنت کے ثمر سے محبت ایک فطری عمل ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے شہید قائد کے ایک اشارے پر سب کچھ قربان کر دینے کا اظہار کیا اور پورے چار سال ان کے سامنے زانوئے ادب بچھا کر بیٹھتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کبھی اس بیباکی اور بے تکلفی سے شہید کے سامنے اظہار خیال نہیں کیا جیسا کہ وہ دوسرے بزرگان کے سامنے کرتے تو مشاہدہ میں ہے کہ ڈاکٹر صاحب اصرار پر آترے اور ان کو اپنی بات پر قائل کر لیتے جبکہ ڈاکٹر محمد علی نقوی اور شہید قائد کے مابین اختلاف نظر کی صورت میں شہید قائد مکمل قاطعیت سے اظہار خیال کرتے اور ڈاکٹر صاحب کو قائل کرتے یا شخص اپنی رائے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اپنے امر پر اطاعت کا تقاضا کرتے جسے ڈاکٹر صاحب بڑے استدلال سے قبول کر لیتے اور پوری دلجمعی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوتے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی زندگی میں لقاء اللہ کی طرف ایک عقابی پرواز رکھتے تھے مگر جہاں جہل آتا یا اس پرواز میں کمی پیدا ہوتی تو شہید بزرگوار پوری بزرگی اور متانت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی سمت درست فرما لیتے اور ان کے افکار عالیہ کی بڑی خوبصورتی اور صمیم قلب کے ساتھ اصلاح کر لیتے جسے ڈاکٹر صاحب انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیتے۔

یاد رہے کہ یہ شہید قائد کا ہی کمال ہے کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے کلام کی قطع و برید کی ہے جسے ڈاکٹر صاحب نے قبول کیا ورنہ ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم خوبی یہی تھی کہ وہ کبھی آسانی کے ساتھ احباب تو کجا کسی دانشور یا بزرگ عالم دین کی رائے کو اپنی رائے کے مقابلے میں قبول نہیں کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں احباب کے درمیان یہ مقولہ عام تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے وہی کرنا ہے جو ان کے جی میں آئے گا مگر ڈاکٹر صاحب کی عظمت کا یہ کمال ہے کہ جہاں انہوں نے کسی اور کی بات کو قبول نہیں کیا وہاں انہوں نے ایک عبد صالح جو دین میں خالص نعمت کے مقام پر فائز تھا کی ہر بات، ہر اشارے اور ہر عمل کو دل و جان سے قبول کیا اور اس پر عمل پیرا ہونے کی پوری پوری جدوجہد کی۔

یوں تو بہت سارے واقعات اور روایات بیان کی جا سکتی ہیں مگر 6 جولائی 1987ء قرآن وسنت کانفرنس لاہور کے موقع پر مشہور واقعہ ہے کہ جب دو دن پہلے رات کے 10 بجے ڈاکٹر محمد علی نقوی بعض رفقاء کے ساتھ قائد کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت قائد سو چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے خود اعتمادی کی بنا پر ان کو جگایا اور گزارش کی کہ اس وقت ایک اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ شہید قائد اٹھ کر بیٹھ گئے اور محفل میں پہنچ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ ہم سب احباب نے جائزہ لیا ہے اور رائے قائم کی ہے کہ کانفرنس کا انعقاد مینار پاکستان کی بجائے موچی گیٹ گراؤنڈ میں کیا جائے، وجہ یہ ہے کہ مینار پاکستان کے گراؤنڈ بہت بڑے بڑے ہیں جن کو شرکاء سے بھرنا مشکل ہے جبکہ موچی گیٹ کی چہل پہل میں گراؤنڈ آسانی سے بھری جا سکتی ہے۔ اور کانفرنس کے وقار کو دوبالا کیا جا سکتا ہے۔ شہید قائد نے سنا اور فرمایا یہی کچھ کہنا ہے یا کوئی اور بات بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا! اب یہی عرض کرنا ہے۔ شہید قائد نے فرمایا۔ اس موضوع پر پہلے بات ہو چکی ہے، فیصلہ ہو چکا ہے، اب مزید کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ کانفرنس مینار پاکستان کی گراؤنڈ میں ہی ہوگی۔ اگر آپ کو کام کرنا ہے تو ٹھیک ورنہ کوئی دوسرے کارکنان آپ کی جگہ لے لیں گے اور پھر ایک ہلکی سی خاموشی کے بعد فرمایا کہ آپ کا اندازہ درست ہے اور آپ اپنی ہمت اور قوت بازو کے مطابق اندازہ لگا رہے ہیں جبکہ میں اپنے رب کی ذات پر بھروسہ کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے احباب خاموشی سے اُٹھے اور کانفرنس انتظامات کو پوری محنت اور لگن سے سرانجام دیا اور چھ جولائی 1987ء کا دن تاریخ پاکستان میں انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔ ایک عظیم الشان پروقار کانفرنس منعقد ہوئی اور قائد شہید نے ایک ایسا خطاب ارشاد فرمایا جو رہتی دنیا تک ارض پاکستان کی فضاؤں میں گونجتا رہے گا۔ ڈاکٹر صاحب بڑے فرحت اور انبساط کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ "قائد محترم کا خطاب ایک انسائیکلوپیڈیا خطاب ہے"۔

جولائی 1988ء قائد شہید نے اپنی شہادت سے قبل ڈاکٹر صاحب کو پشاور پہنچنے کی دعوت دی۔ ڈاکٹر صاحب لبیک کہتے ہوئے فوراً خدمت میں حاضر ہوئے۔ شہید قائد نے ارشاد فرمایا! ڈاکٹر صاحب اس سال امام خمینی کے ارشادات پر عمل کرنے کیلئے حج کے موقع پر برأت از مشرکین کا اظہار کرنے کیلئے کوئی نہیں جا رہا کیا کوئی انتظام ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بلا جھجک عرض کیا، آپ اجازت دیں تو میں خود جاتا ہوں۔

قائد شہید: آپ خود جائیں گے۔

شہید ڈاکٹر: جی میں جاؤں گا۔

قائد شہید: اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہوگا، میں آپ کو اس کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ عہد کر کے ڈاکٹر صاحب لاہور پہنچے، چند ساتھیوں کو آمادہ کیا اور عازم حج ہوئے۔ وہاں پر شہید ڈاکٹر نے شجاعت و جوانمردی کے ایسے کارنامے سرانجام دیئے جو ملت کے نوجوانان کے قلوب میں

حرارت اور سرگرمی پیدا کرنے کیلئے ایک سرچشمہ ہیں۔

مناسک حج ادا کرتے ہوئے جب لاکھوں حاجی شیطانوں کو کنکریاں برسا رہے تھے تو کنکریوں کی اس بارش کے بیچوں بیچ آگے بڑھتے ہی گئے اور ایک پتھر (شیطان) کے گرد "الموت لا مریکہ" کا بینر باندھ دیا، دوسرے پر "الموت لروسیہ" اور تیسرے پر "الموت لاسرائیل" باندھ دیا۔ اب یہ مناسک حج ایک رسم نہ رہا بلکہ اس میں اس دور کی معنویت کو پالیا۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے حج کے دوران برأت از مشرکین کے اظہار کیلئے کسی ایک اور حیرت انگیز اقدامات بھی کیئے۔ آخر پکڑے گئے، گرفتار ہوئے، ان پر شدید تشدد کیا گیا، جیل میں ڈال دیا گیا اور ان کو سزائے موت دیئے جانے کا قوی امکان موجود تھا۔ جب ڈاکٹر صاحب اس طرح اسیر حرم تھے تو پاکستان کے افق پر 14 اگست کی خونی اشام، شب کا اندھیرا چھا گیا۔ پاکستان کے صاحب نعمت اور صراط مستقیم کے مصداق شہید عارف حسین الحسینی کی پرنور زندگی کی آخری شب کا آغاز ہوا۔ نماز مغرب کے بعد شہید قائد آفس سیکرٹری احسان جعفری، انور علی اخوندزادہ، ان کے بھائی مظفر اور دو ایک دیگر احباب کو لیئے بیٹھے تھے کہ احسان جعفری سے شہید قائد

نے اچانک استفسار کیا۔

احسان: کیا ڈاکٹر محمد علی نقوی زندہ واپس آئیں گے؟۔ احسان نے ادب سے عرض کیا، آغا صاحب، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ شہید قائد نے ارشاد فرمایا انشاء اللہ وہ ضرور وطن واپس پہنچیں گے۔

یہ آخری آخری یادگیری تھی۔ شہید اپنے مایہ ناز رفیق کو یاد فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں ملعون فقیر گل آپہنچا (جو کہ یکے از قاتلین شہید حسینی ہے)۔ اس نے کہا آغا صاحب آپ نے مجھے جو رقعہ تحریر کرکے دیا تھا وہ گم ہوگیا ہے۔ مہربانی کرکے دوبارہ ایک رقعہ تحریر کریں۔ یاد رہے کہ فقیر گل کا مقصد رقعہ لینا نہیں تھا بلکہ وہ قائد شہید کی جاسوسی پر مامور تھا اور اس رات ان کی موجودگی کے بارے میں اطلاع پیدا کر رہا تھا اور شواہد سے حقیقت بھی بخوبی عیاں ہے کہ شہید قائد کو اپنے قاتل کے اس گھناؤنے مقصد کو سمجھتے تھے۔ مگر وہ تو از خود وصال حق کیلئے بے تاب تھے۔ احسان جعفری سے ارشاد فرمایا کہ کاغذ اور قلم لاؤ، احسان نے حکم بجالایا اور شہید قائد نے دو رقعے تحریر کیئے۔ فقیر گل کو دیئے۔ فقیر گل کو دینے سے پہلے شربت منگوایا اور اپنے ہاتھوں سے اپنے ہونے والے قاتل کو پلایا، پھر اس کو رقعے دیئے، وہ چلنے لگا تو کہا اس وقت رات کو کہاں جائیں گے، ہمارے پاس یہیں ٹھہر جاؤ، اس نے کہا نہیں وہ اپنے ایک دوست کے پاس جائے گا۔ قائد نے کہا تم تو کہتے تھے میرا کوئی بھی پشاور میں جاننے والا نہیں، اب کوئی پیدا ہوگیا ہے، اس نے کہا ہاں اور وہ چل دیا۔

شہید نے اس رات ایک طویل سجدہ کیا اور مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ "توبہ قبل الموت راحتا عند الموت ومغفرة بعد الموت" خالق حقیقی کے حضور استغاثہ بلند کیا۔ صبح وقت کے ابن ملجم جمیل اللہ نے تیر ستم چلایا اور اپنے دور کا ایک فرزند امیر المومنین، فرزند سیدہ طاہرہ کا خون آلودہ سرخ چہرہ لیے ہوئے ارجعی الی ربک کی منزل کا نظارہ کر گیا۔

شہید کے جنازے میں قاتل ضیاء الحق شرکت کیلئے پہنچا تو قاتل قاتل کے نعرے گونج اٹھے۔ باہمت ڈاکٹر محمد علی نقوی کے رفیق خاص برادر سجاد حسین میکن نے ضیاء الحق کو بازو سے پکڑا اور کہا کہ آغا عارف حسین حسینی کو آپ نے شہادت سے ہمکنار کردیا ہے۔ اب ڈاکٹر محمد علی نقوی کو جو اسیر حرم ہیں خیریت کے ساتھ وطن واپس لانا ہوگا۔ ضیاء الحق جو پہلے ہی اپنے اس قبیح فعل کی وجہ سے لرزہ براندام ہوچکا تھا نے فی الفور سعودی عرب حکومت سے رابطہ کیا اور پاکستان سے ایک خصوصی طیارہ بھیجا اور ڈاکٹر صاحب اور اپنے ساتھیوں کو باخیریت وطن واپس پہنچا دیا گیا۔ یوں عاشق حق شہید بزرگوار علامہ عارف حسین الحسینیؒ نے جو قول ڈاکٹر صاحب کو رخصت کرتے وقت دیا تھا اسے اپنی جان کا فدیہ پیش کرکے صحیح وسالم واپس وطن پہنچا دیا۔

10 فروری 1984، بھکر کی سرزمین سے لے کر 5 اگست 1988، پشاور کے مقتل تک قائد شہید، راستین فرزند سید الشہداء علامہ عارف حسین الحسینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اور شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کا الحاق ایک لہو رنگ داستان ہے بلکہ عشق و مستی کی یہ داستان تاریخ پاکستان کا درخشاں ترین باب ہے۔ اس وطن کی ظلمتوں کے گھپ اندھیروں میں کربلا کے نور کا اُجالا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سید علی نقی ثاقب اکبر

ہائے کیا لوگ تھے جو دام اجل میں آئے

ارشاد حسین ناصر

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

برادر سید ثاقب اکبر بھی رخصت ہوئے۔ان کے مرض کی خبر تو ایران میں زیارات کے دوران موصول ہوئی تھی جس کے بعد تسلسل سے انہیں ہر ایک نماز و مقام پہ دعاؤں میں یاد رکھتا تھا، پاکستان واپس پہنچا تو ان کی خبر گیری کیلئے اسلام آباد جانے کے بارے کافی سوچا، احباب سے روابط بھی رکھے، ان کی طبیعت سنبھل نا پڑنے اور اذیت و تکلیف کے باعث اسلام آباد جانا موخر ہوتا رہا کہ پروردگار اپنا لطف فرمادے تو انہیں صحت و سلامتی اور شفایابی کیساتھ ملیں گے اور خوب سنیں گے مگر ہائے رے اجل کہ توں نے اس کا موقعہ ہی نا دیا اور یہ خبر اس شام بجلی بن کے گری کہ برادر محترم سید ثاقب اکبر ہم میں نہیں رہے، جب بھی کوئی رخصت ہوتا ہے تو فطری طور پہ ایک فلم چشم تصور میں گھوم جاتی ہے گذرے حالات، بیتے لمحات، گفتگو، باتیں، ملاقاتیں، کچھ وعدے وعید، کچھ ناز و نخرے، کچھ اپنائیت، کچھ تلخ و شیریں، کچھ امیدیں، کچھ تمنائیں، کچھ خواہشات، کچھ نوازشات، کچھ آداب، کچھ قیمتی لمحات، کچھ ناقابل فراموش، کچھ نصیحت، کچھ رہنمائی، کچھ مہربانیاں، کچھ لطف و اکرام، کچھ انعام ،کچھ افتخار و فخر، نہ جانے کیا کچھ تھا جو ایک لحظہ میں برادر بزرگ و مہربان سید ثاقب اکبر کے حوالے سے چشم تصور میں گھوم گیا، ثاقب بھائی ایسے تھے کہ انہیں بہت دیر تک یاد رکھا جائے گا اور ان کی یادیں ہمارے لیئے کسی قیمتی سرمایہ کی مانند سنبھال کے رکھنا ہونگی، ان کی باتیں ہمیں رہنمائی کا ذریعہ بن کے تاریک راستوں، کٹھن مرحلوں، مشکل حالات میں آگے بڑھنے کے ولولہ اور جذبہ کے طور پہ یاد رہیں گیں۔ وہ ہمیشہ رہنمائی فراہم کرتے تھے، وہ ہمیشہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے، وہ بہت ہی کشادہ دل کے مالک تھے، وہ تعصبات و تنگ نظریوں سے بھری تاریک دنیا میں ایک روشن و کھلی کتاب کی مانند تھے، جسے جو بھی چاہے پڑھ کے اپنا راستہ اور منزل کی جانب بڑھ سکتا تھا۔

ثاقب اکبر بھائی کی زندگی، جدوجہد، کارہائے نمایاں، جہد مسلسل، خدمات، قومی، ملی، اجتماعی، ملکی، عالمی، جوانوں کیلئے، بزرگان

کیلئے، دین داروں کیلئے، امت مسلمہ کیلئے، انسانیت کیلئے، عالم اسلام کیلئے اور مکتب تشیع یعنی اسلام ناب محمدی کیلئے بے مثل و بے مثال ہیں، اس کی فہرست بہت طویل ہے، ہمارے جیسوں کیلئے تو شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کے بعد ان کا رخصت ہونا بڑا صدمہ و نقصان ہے، جس کا ازالہ ممکن نہیں، نہ تو شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی کمی کو کوئی پورا کر سکا اور نہ ہی ثاقب اکبر بھائی کا خلا کوئی پورا کرنے کی صلاحیت و قابلیت رکھنے والا دکھائی دیتا ہے۔

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

ثاقب اکبر بھائی کی زندگی کو اگر زمانہ طالبعلمی سے ہی دیکھا جائے تو انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں زمانہ طالبعلمی سے ہی امامیہ برادران سے منسلک ہوئے اور اپنی بے پناہ خداداد صلاحیتوں کی بدولت تنظیم کی سب سے بڑی ذمہ داری یعنی مرکزی صدارت تک پہنچے اور وہ پہلے مرکزی صدر تھے جو مسلسل دو بار مرکزی صدارت پر رہے، انہی کی صدارت کے دوران پاکستان کے ہمسائے برادر اسلامی ملک ایران میں انقلاب اسلامی کا سورج طلوع ہوا اور انقلاب کی کامیابی سے امامیہ برادران جو اس انقلابی تحریک و جدوجہد سے پہلے سے وابستگی رکھتے تھے اور اس کی حمایت کرنے والوں میں تھے اس انقلاب سے ان کے حوصلوں میں مزید تقویت پیدا ہوئی اور ان کی پرواز میں مزید بلندی دیکھائی دی جبکہ برادر سید ثاقب اکبر نقوی جیسی انقلابی سوچ وفکر، ادب وعلم دوست، تحریر وتقریر سے گہری دلچسپی نیز ان اعلی صفات کی حامل شخصیت کے ہاتھوں میں تنظیم کی باگ ڈور تھی جو شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کیساتھ شیر وشکر تھے، ثاقب بھائی کا شروع سے یہ خاصہ تھا کہ وہ سوچ وعمل کو نئی جہتیں عطا کرتے تھے ان میں رشد، بلند فکری، نئے زاویے دینا اور اپنے آس پاس والوں کو بلکہ حلقہ اثر کو ان جہتوں سے روشناس کروانے کا ہنر بخوبی آتا تھا، وہ موقع محل کی نسبت سے جملے بنانے، نعرے و شعار ایجاد کرنے، شعر وسخن کی مجلس سجانے، ادب پارے بانٹنے، تحریر وتقریر سے دوسروں کو متاثر کرنے، قلم کی جولانیوں سے اپنا مدعا پہنچانے، اور کسی بھی مجلس

بحث میں دلائل کے انبار لگانے میں یکتا تھے، انہوں نے تنظیمی وتحریکی و اجتماعی زندگی میں ان گنت شعار ایجاد کیئے، انہوں نے ہی مینار پاکستان کے سائے تلے للکار کے کہا؛ طاغوت کا دل گھبرائے گا۔۔غازی کا علم لہرائے گا۔۔ انہی ان کی طرف سے تنظیم کو نظریاتی شعار ملے۔۔

قرآن وہ کتاب ہے۔۔جو درس انقلاب ہے۔۔
جو اسوہ رسول ہے۔۔ہمارا وہ اصول ہے۔۔
علی کا طرز زندگی۔۔منافقت کی موت ہے۔۔
حسینیوں کی زندگی۔۔عقیدہ و جہاد ہے،

پھر جب نماز دوران جلوس کی ابتدائی تو یہ شعار بلند کیئے
؛آئی ایس او کی ہے آواز۔۔ماتم مجلس اور نماز۔۔ان کے بہت سے شعار و شعر امامیہ برادران کی زبانوں اور ریلیوں میں تقاریر کرنے والوں کی گفتگو کا حصہ ہوتے تھے
یہ ثاقب اکبر بھائی تھے جو تنظیمی پروگراموں میں سٹیج پہ آتے تھے تو ان کے نعروں کی گونج اور ولولہ انگیزی سے مجمع میں حرارت پیدا ہو جاتی تھی وہ ہمیں چھ جولائی ۱۹۸۷ میں مینار پاکستان کے سائے تلے سٹیج پہ شہید حسینی کی قیادت ،ان کی سیاست، ان کی شخصیت کے گن گاتے، تاریخی اجتماع کو مسلسل بیدار رکھتے نظر آئے، ان کیساتھ سٹیج پہ سید ذوالفقار علی شاہ شہید بھی تھے۔انہیں

شہید حسینی کیساتھ انقلاب کی جدوجہد، وحدت امت، امریکی استعمار کو للکارنے ملت کو بیدار کرنے، القدس کی آزادی کی تحریک چلانے، چھ جولائی کانفرنس کے موقعہ پہ منشور، ہمارا راستہ؛ پیش کرنے کی سعادت حاصل تھی۔ اس منشور کو گذشتہ دنوں ہی ثاقب بھائی نے دوبارہ سے ایک رفیق شہید کے تعاون سے پرنٹ کروایا تھا تاکہ سیاست کے افق پر پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ممکن ہو سکے کہ ہم شہید الحسینی کے راہ رو ہیں تو ان کا بتایا ہوا سیاسی راستہ اور پروگرام اس؛ ہمارا راستہ کی صورت میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

ثاقب اکبر بھائی نا صرف شہید الحسینی بلکہ محسن ملت علامہ سید صفدر حسین نجفی کی قربت و سرپرستی میں قائم ہونے والے اداروں جن میں مصباح القرآن ٹرسٹ اور جامعہ المنتظر بھی آتا ہے میں خدمات سرانجام دینے کا بھرپور موقعہ ملا، انہوں نے جامعہ المنتظر کے منتظم کے طور پہ بھی کچھ عرصہ خدمات سرانجام دیں، جبکہ تفسیر نمونہ اور دیگر قرآنی موضوعات پہ چھپنے والی کتب کو علامہ صفدر حسین نجفی کی سرپرستی میں ترجمہ، تصحیح و تدوین کی سعادت حاصل رہی، قرآن

کریم سے انسیت اور قرآن سے مربوط موضوعات پہ کام کرنا ان کا زندگی کا مقصد ٹھہرا تھا وہ اس حوالے سے آخر وقت تک کام کرتے رہے، ان کے بہت سے کام ان کی کتب کی شکل میں موجود ہیں، یہ بھی کتنا عجب ہے کہ انجینئرنگ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل نوجوان کو جب سی ڈے اے میں جاب ملی تو قبلہ محسن ملت علامہ سید صفدر نجفی کی فرمائش پہ اسے چھوڑ دیا اور ان کیساتھ قلمی و تحریری کام میں مشغول ہو گئے جس کا معاوضہ بہت ہی معمولی ہوتا تھا۔

اسطرح امت مسلمہ کے اتحاد، یکجہتی، وحدت و اخوت کیلئے انہوں نے جو خدمات سرانجام دیں ان کے اثرات بہت نمایاں اور کھلے ہیں، ملی یکجہتی کونسل کا وجود ان کی ایک جھلک ہے جبکہ وہ امام خمینی کی فکر اور شہید حسینی کی آرزوں کی تکمیل کیلئے اس میدان میں خود کو وقف کر چکے تھے، دیگر مکاتب بالخصوص اہل سنت برادران کیساتھ ان کے تعلقات اور ان کی مجالس و محافل سے استعمار اور ان کے نوکروں کی سازشوں کو ناکام ڈالنے میں انکا کردار روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ ان کے جنازے میں بھی اہل سنت کی برجستہ شخصیات کا موجود ہونا اس کا ایک ثبوت ہے۔ وہ دکھلاوے یا وقتی ضرورت کی وجہ سے اتحاد و وحدت کی بات کرنے والے نہ تھے بلکہ نظریاتی طور پہ اس کے قائل تھے کہ امت کو وحدت کی لڑی میں پرویا ہونا چاہیئے، وہ اس معاملے میں بھی خلوت و جلوت میں یکساں موقف رکھتے تھے۔

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

سید ثاقب اکبر نقوی بھائی کی جوانی کی ولولہ انگیزیاں اور جوش و جذبات سے بھرپور تقاریر، خطابات کو سننے والوں کو اس وقت ان کی شخصیت میں نمایاں تبدیلی دکھتی ہے جب انہوں نے اخوت اکیڈمی جو بعد از اں البصیرہ کے نام سے قائم ہوا ادارہ کو شروع کیا، زندگی کے اس سیشن میں وہ ایک مدبر، ایک دانشور، ایک خلیق، ایک مہربان، ایک معاملہ فہم، ایک وسیع القلب، ایک جوڑنے والا، ایک دھیمے انداز میں گفتگو کرنے والا، ایک قربتیں بانٹنے والا، ایک اخوت کا پیکر، ایک وحدت کا منادی، ایک زیرک رہنما جو اپنے دوستان، احباب، حلقہ اثر اور نئے لکھنے، پڑھنے والوں کو مکمل رہنمائی فراہم کرتا تھا دکھتے تھے جبکہ جوانی میں ان کا کلام اس جوبن پہ ہوتا تھا۔

جوش سے، جذبوں سے کام لینا ہے
ہمیں لگام زمانہ کو تھام لینا ہے

ہے آرہی یہ صدا کربلا کے ذروں سے

یزیدیت سے ابھی انتقام لینا ہے

انہوں نے کربلا سے اپنی وابستگی اور زیارت ابا عبداللہ الحسین کو یوں بیان کیا۔۔

وہ ملک سوئے فلک جاتے ہیں اتراتے ہوئے

رات شبیرؑ کی چوکھٹ پہ اترنے والے

ایام فاطمیہ کی مناسبت سے وہ یوں گویا ہوئے

رات آئی ہے تو پھر درد ترا یاد آیا

گرچہ تاریخ بھی شاہد ہے

حدیثوں میں لکھا ہے

تیرے دروازے پہ جو گزری ہے سب مجھ کو پتہ ہے

مجھ سے ہے رنج والم فریادی

مجھ سے قرطاس وقلم فریادی

پھر بھی خاموش رہوں گا

پہ جگر پھٹتا ہے

بیت احزان کی آہوں نے مرے کان پہ دستک دی ہے

کم کہا میں نے،

مری جان پہ دستک دی ہے

میں نے صدیوں سے ترا درد سنبھالا ہوا ہے

سینے میں چیخوں کو ،فریاد کو پالا ہوا ہے

کتنی راتیں میں ترے سوز میں بیدار رہا

رات آئی ہے تو پھر درد ترا یاد آیا

اور ترے درد کا ساتھی تو سوا یاد آیا

سب سے بہتر اے گھرانے امرا پہ سے لے

اے مرے بابا! اے مادر امرا فوحہ لے لے۔

شاعری میں ان کا اپنا ایک مزاج تھا جس میں ان کے افکار کی جولانیوں کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔برادر ثاقب اکبر نقوی نے امیر المومنین "،اقبالیات،قرآن،وحدت،اخوت،امام خمینی،شہید الحسینی،کربلا،سیدہ زینب سلام جیسے عناوین کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے،ان کی شاعری کی کتب چھپ چکی ہیں ان میں ا- یا ایتھا

2- نور سخن (شعر در مدح پیغمبر اکرمؐ و اہلبیتؑ)

3- موج احساس (شاعری در جہان اسلام)

4- جواز سخن (غزلیات)

5- قتیل سحر (تدوین؛عارف حسین الحسینی کے بارے مختلف شعرا کا منتخب کلام

6- پیر جماران (تدوین؛امام خمینی ک بارے شعرا کرام کے کلام کا انتخاب)

7- کعبہ سب کو پیارا تدوین

ان کی کتب میں؛پاکستان کے دینی مسالک: ایک بہترین کتاب ہے جسے بڑی عرق ریزی سے انہوں نے مرتب کیا ہے،وہ پاکستان کے کئی ٹیلی ویژن

چینلز بالخصوص پی ٹی وی اور پی ٹی وی پہ دینی پروگراموں اور رمضان نشریات کا حصہ رہتے۔

ان کے باقیات الصالحات میں اگرچہ ان کی نیک اولاد جنہیں انہوں نے تربیت کیا اور دینی و دنیاوی علوم سے بہرہ مند کیا کی صورت میں موجود ہیں مگر ان کے کام جن کی بہت طویل فہرست ہے جن کا اجر وثواب بھی انہیں ملتا رہیگا،آپ ان کے تحاریر،مضامین جو وہ مختلف اخبارات،ویب سائٹس اور

سوشل میڈیا پہ نشر کرتے تھے انہیں کو دیکھ لیں، انکے فقط موضوعات ہی دیکھ لیں کہ کیسے وہ اس قوم وملت کی رہنمائی کا حق ادا کر رہے تھے، اسطرح بہت سے سلگتے موضوعات پہ ان کا قلم، ان کی گفتگو، ان کے سیمینارز، کانفرنسز، اجلاس، انکھ، یقیناً بہت موثر رہتے تھے۔

وہ دینی علوم کے حصول کیلئے حوزہ علمیہ قم بھی تشریف لے گئے جہاں انہوں نے دین کے آفاقی پیغام کو اساتذہ سے کسب کیا اور پھر اس کی تبلیغ وترویج کیلئے مشغول عمل ہو گئے، شہید کے زمانہ میں وہ مرکزی کونسل کے رکن بھی رہے جبکہ کئی ایک امور میں ان کے مشورے اور رہنمائی سے تحریکی کاموں کو آگے بڑھانے میں معاونت ملتی۔

اگرچہ ایک عرصہ تک وہ تنظیمی محافل واداروں کا حصہ نہ رہ سکے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کی زیادتی اگلے کے کام آجاتی ہے، وہ تنظیمی اداروں سے دور رہ کے بطور ثاقب اکبر جتنے کام کر گئے شاید نارمل حالات میں ایک تنظیمی شخصیت کے ناطے کیساتھ ممکن نا ہوتا، انہوں نے اس دوران جو تحقیقی، کام کیئے، اتحاد و وحدت کی فضا کو قائم کیا، تکفیریت کا مقابلہ کرنے کیلئے فرنٹ فٹ پہ رہ کے اداروں وگروہوں کو جمع کیا اور انہیں ایک جگہ بٹھانے میں لگے رہے شاید یہ ایک نعمت تھی جو انہیں حاصل رہی، اس کے باوجود زندگی کے چند آخری برس انہوں نے تنظیمی اداروں میں اپنے کردار کو قبول کیا اور بھرپور طریقہ سے اپنے تجربات، احساسات، سوچ وافکار کیساتھ میدان میں وارد ہوئے حتیٰ اس ملت وقوم کی بہتری کیلئے ان کے تحریک جعفریہ کے بزرگان کیساتھ بہت ہی اچھے تعلقات اور اعتماد کا رشتہ استوار تھا، جو آخری سانس تک قائم رہا۔

وہ اس وقت آئی ایس او پاکستان کی مجلس نظارت کے فعال ترین رکن تھے، اور نظارت میں تفویض کردہ کئی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اپنا کردار ادا کر رہے تھے، عمومی طور پہ ثاقب بھائی ملی یکجہتی کونسل کے دیگر شہروں، کوئٹہ، کراچی، پشاور، لاہور وغیرہ میں تشریف لے جاتے تو اسی سفر میں تنظیمی برادران جن میں سابقین شامل ہوتے ان کیساتھ بھی نشست رکھ لیتے اس طرح وہ نظارت کے اراکین میں سے سب سے زیادہ دورہ جات کرنے والے برادران میں شامل کیے جاسکتے ہیں جن کا بہت سے ڈویژنز حتیٰ یونٹس تک ڈائریکٹ رابطہ ہوتا تھا۔ افتخار عارف صاحب نے کیا خوب کہا۔

رہنے کو سدا دہر میں آتا نہیں کوئی
تم جیسے گئے ایسے تو جاتا نہیں کوئی

ثاقب بھائی اتنے مختصر وقت میں بیمار ہوئے، چند دن ہسپتال میں رہے اور پھر ہمیشہ کیلئے چلے گئے ایسا تو نہیں سوچا تھا، ایسا تصور بھی نہیں کیا تھا، یوں چلے جانا بھلا کب طے ہوا تھا، آپ نے تو ابھی محبتوں کے گلاب بکھیرنے تھے، ابھی تو خزاں کا موسم تھا ابھی تو بہار کا انتظار تھا، ابھی تو پھول کھلنے تھے، ابھی تو کونپلیں پھوٹنا چاہتی تھیں، ابھی تو مشک عنبر اور نے فضائے چمن کو مہکانا تھا ابھی تو آپ نے غزل سرا ہونا تھا، ابھی تو شعر و سخن اور نغمہ وگل کا دور چلنا تھا، اتنا جلد چلے گئے، ابھی جی بھر کے ملنا ملانا تھا، ثاقب بھائی آپ کا چلے جانا، ہم پہ بہت گراں ہے، آپ کو یوں رخصت ہو جانا بہت بھاری ہے، بھاریں سوئی ہوئی آنکھیں، افسردہ چہرے، مرجھانے لگے، خاموش نگاہیں اداس محافل آپ کو پکارت رہے ہیں۔۔۔ ایک بار پھر سے۔۔۔ وہی چلن، وہی سخن، وہی ملن ہو جائے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ جو بھی جاتا ہے۔

لوگ جوق در جوق۔۔۔۔ چلے جاتے ہیں
نہیں معلوم۔۔۔ تہہ خاک تماشہ کیا ہے

IBS
اسلام آباد بورڈنگ سکول
فیڈرل بورڈ سے الحاق شدہ
پلے گروپ سے کلاس نہم تک
داخلے
جاری ھیں
مارچ میں کلاسز کا آغاز
فیڈرل بورڈ میں شاندار رزلٹ کا حامل ادارہ
اسلام آباد میں معیاری تعلیم پہنچانے والا بہترین ادارہ
خصوصیات
کیڈٹ کالجز میں داخلے کی تیاری
فیڈرل بورڈ سلیبس
اعلیٰ تعلیم یافتہ سٹاف
ہاسٹل کا انتظام
تیکوانڈو کلاسز
بہترین کھانے اور لانڈری کا انتظام
قرآن، اخلاق اور احکام کی تعلیم
غیر نصابی سرگرمیوں کا انعقاد اور اخلاقی تربیت پر خصوصی توجہ
+92 318 566 1670
+92 312 653 7001
+92 306 710 4508
ibsforharmonizedlearning@gmail.com
islamabadboardingschool
جگیوٹ روڈ علی پور فراش اسلام آباد

Monthly Afkar-e-Al-Arlf Lhr.(Regd.) CPL# 60

پھولوں کے جسم چھیدنے والوں سے تا ابد
خوشبو کو برچھیوں میں پرویا نہ جائے گا